JIRS, Vol.:3, Issue: 1, Jan-June 2018
DOI: 10.12816/0048274, PP: 27-50

OPEN ACCESS
Journal of Islamic & Religious Studies
ISSN (Online): 2519-7118
ISSN (Print): 2518-5330
www.uoh.edu.pk/jirs

قرآن مجید کے پانچ منظوم اردو تراجم کا تعارف و تجزیہ

Introduction and Analysis of Five Urdu Verse Translations of the Holy Qur'ān

Scan for Download

Assad Qayyum
PhD Research Scholar
Allama Iqbal Open University Islamabad Pakistan

Dr. Hafiz Muhammad Sajjad
Associate Professor, Department of Islamic Thought History & Culture
Allama Iqbal Open University Islamabad Pakistan

Abstract

This research article gives a brief introduction and analysis of five Urdu translations of the Holy Qur'ān. Qur'ānic translations are an important source of learning and understanding of Qur'ān. In Urdu the translations of the Holy Book started in late 16th Century A.D. The number of these translations is in hundreds till now, which include translations in Urdu prose and verse. The first rhymed Urdu translation of the Holy Quran was written in the last quarter of 18th Century A.D. At present these translations are in hundreds, including complete as well as partial translations. Most of the translations are in rhymed form, while some are in free verse also. In this article five complete Holy Qur'ān translations have been discussed. Main aim of the article is to introduce the poets and their translations, as well as brief analysis of the translations. The translations are; Asar Zubairi Lakhnavi's "Sehr ul Bayan", Syed Shamim Rajz's "Aab e Rawaan", Seemab Akbar Abadi's "Wahi e Manzum", Abdul Aziz Khalid's "Furqan e Javed" and Qazi Ata ullah's "Mafhoom ul Quran". This article also explains how much the poets succeeded in presenting the message of Qur'ān. The merits and demerits of the translations have been highlighted. The article concludes that poetry, specially rhymed form, is not suitable for the translations of the Holy Book.

Keywords: *translations of Holy Qur'ān, verse translations,*

Asar Zubairi Lakhnavi, Sehr ul Bayan, Syed Shamim Rajz, Aab e Rawaan, Seemab Akbar Abadi, Wahi e Manzum, Abdul Aziz Khalid, Furqan e Javed, Qazi Ata ullah, Mafhoom ul Quran.

تمہید:

قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کا مقدس کلام ہے، جو انسانیت کے لیے ہدایت و رہنمائی کا سامان ہے۔ اس کا فہم ہر انسان کے لیے بالعموم اور مسلمان کے لیے بالخصوص اہمیت کا حامل ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی دینی ذمہ داریوں میں سے ایک اہم ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ اس کتاب مقدس کو سمجھ کر پڑھیں۔ تفہیم قرآن مجید غیر عربوں کے لیے کبھی آسان نہیں رہی۔ اس حوالے سے انھیں جو مشکلات پیش آتی ہیں ان میں ایک اہم مشکل عربی زبان سے ناآشنائی ہے۔ اہلِ علم کی طرف سے اس فرض کو آسان بنانے کے لیے مختلف ادوار میں کوششیں کی گئیں۔ ابتداء میں قرآن مجید کے متن کو درست طریقے سے پڑھنے کے لیے اس پر اعراب اور نقطے لگائے گئے۔ پھر کلامِ الٰہی کو عام فہم بنانے کے لیے مختلف زبانوں میں اس کے تراجم کیے گئے اور اس کے مضامین کی وضاحت کی غرض سے تفاسیر لکھی گئیں تاکہ انسانیت اس کتاب ہدایت سے بخوبی فائدہ اٹھا سکے۔

برصغیر پاک و ہند میں قرآن حکیم کے تراجم کی ابتداء کا جائزہ لیا جائے تو اولیت سندھی زبان کو حاصل ہے۔ سندھی میں قرآن کا ترجمہ تیسری صدی ہجری میں معرض وجود میں آیا، جسے ایک عراقی عالم نے تحریر کیا تھا۔[1] اردو زبان میں تراجم و تفاسیر کی ابتداء دسویں صدی ہجری (سولہویں صدی عیسوی کے اواخر) میں ہوئی، یہ تراجم جزوی تھے۔[2]

سترہویں صدی عیسوی تک وجود میں آنے والے اردو تراجم طباعت سے محروم رہے، جس کی بناء پر یہ عوام کی دسترس سے باہر تھے۔[3] شمالی ہند میں قرآن حکیم کی پہلی باقاعدہ اور معیاری تفسیر شاہ مراد اللہ سنبھلی کی خدائی نعمت معروف بہ تفسیر مرادیہ تھی، جو تیسویں پارے کی تفسیر تھی۔ یہ تفسیر بہت مقبول ہوئی، جس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہ متعدد بار طبع ہوئی۔[4]

اردو زبان میں قرآن حکیم کے اولین تراجم کی فہرست میں ایک ترجمہ قاضی محمد معظم سنبھلی کا بھی ہے۔ یہ ترجمہ خالص اردو میں نہیں تھا، بلکہ اردو اور فارسی کے میل جول سے پیدا ہونے والی زبان میں تھا۔ موصوف نے اسے ۱۱۳۱ھ (۱۷۱۹ء) میں تصنیف کیا۔[5]

برصغیر میں تراجمِ قرآنی کو عام کرنے میں امام الہند شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور ان کے صاحبزادوں نے اہم کردار ادا کیا۔ اس کام کی ابتداء شاہ صاحب نے کی اور قرآن مجید کے مفاہیم کو عام کرنے کے لیے فتح الرحمٰن کے نام سے آسان فارسی زبان میں ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ اس لیے بھی اہمیت کا حامل ہے کہ اس کی بدولت برصغیر پاک و ہند میں قرآن حکیم کے تراجم کی راہ ہموار ہوئی۔ فتح الرحمٰن اس خطے میں قرآن کا اولین باقاعدہ ترجمہ تھا، جسے عوام و خواص میں مقبولیت حاصل ہوئی۔ شاہ صاحبؒ کی پیروی کرتے ہوئے ان کے صاحبزادوں نے اردو زبان میں قرآن حکیم کے تراجم کا بیڑا اٹھایا۔ شاہ رفیع الدین نے ۱۷۷۶ء میں ترجمہ کیا، جو قرآن مجید کا لفظی ترجمہ تھا۔ شاہ عبدالقادر نے بامحاورہ ترجمہ کیا، جو سنہ ۱۷۹۰ء میں ترتیب دیا گیا۔[6]

شاہ عبدالقادر کے ترجمے موضح قرآن کو زبان و بیان کے حوالے سے دیکھا جائے تو یہ شاہ مراد اللہ سنبھلی کی تفسیر مرادیہ سے بہت قریب معلوم ہوتا ہے۔[7] شاہ عبدالقادر کے ترجمے کے بعد اردو زبان میں قرآن حکیم کے تراجم کو رواج عام حاصل ہوا اور قرآنی تراجم کا باقاعدہ سلسلہ شروع ہو گیا۔ مذکورہ ترجمے کی اشاعت کے بعد سے اب تک قرآن حکیم کے سینکڑوں

تراجم شائع ہو چکے ہیں اور یہ طباعت اب بھی جاری و ساری ہے، بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان تراجم کے شائع ہونے کی رفتار میں تیزی آئی ہے۔اردو زبان میں جو تراجمِ قرآنی تحریر کیے گئےان میں جزوی تراجم بھی ہیں اور مکمل بھی، منثور بھی ہیں اور منظوم بھی۔موضح قرآن سے شروع ہونے والا یہ دریائے فیض دو سو سال سے بہتا چلاآرہا ہے۔دورِ حاضر اردو تراجم و تفاسیر کے حوالے سے خاص اہمیت رکھتا ہے اور اسے ان تراجم و تفاسیر کا روشن ترین دور قرار دیا جاسکتا ہے۔اس میں سر سید احمد خان، مولانا محمود حسن، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا ثناء اللہ امر تسری، مولانا ابوالکلام آزاد، سید ابو الاعلیٰ مودودی، مفتی محمد شفیع، مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا محمد ادریس کاندھلوی، مولانا عبد الماجد دریابادی وغیرہم جیسے جلیل القدر مفسرین نے اردو زبان میں فن ترجمہ و تفسیر کو چار چاند لگائے۔علاوہ ازیں عربی و فارسی کی بہت سی مہتم بالشان تفاسیر کو اردو کا جامہ پہنایا گیا۔[8]اس کے علاوہ مولانا احمد رضا خان بریلوی، نواب صدیق حسن خان قنوجی اور پیر محمد کرم شاہ الازہری کے تراجم بھی مقبول ہوئے۔

منظوم اردو تراجم قرآن:

انسانی فطرت نظم سے زیادہ لگاؤ رکھتی ہے ،یہی وجہ ہے کہ وہ نثر سے زیادہ نظم کی طرف مائل ہوتا ہے۔شاعری کی تحسین میں انسان کے اس فطری رجحان کو دخل ہے۔ نظم دیگر خوبیوں کے ہمراہ روانی اور غنائیت کی حامل بھی ہوتی ہے، جس کی وجہ سے اسے یاد رکھنا اور دہرانا نثر کی بہ نسبت سہل ہوتا ہے۔اسی لیے شاعری کو حافظے میں بٹھانے کا رجحان نثر کی نسبت بہت زیادہ ہے۔ منظوم تراجمِ قرآن کی تخلیق کی بہت سی وجوہات ہیں، لیکن ان میں سے اہم ترین وجہ شعراء کرام کا قرآن حکیم کے ساتھ قلبی لگاؤ اور قرآن کے مفاہیم کی اشاعت ہے۔تاہم ایک اور اہم محرک شعر سے انسان کی یہ قدرتی مناسبت بھی ہے۔اسی بنا پر اردو شعراء نے قرآن مجید کے مطالب و معانی کو نظم کی صورت میں پیش کیا، اور ان تراجم کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا۔یہی وجہ ہے کہ اردو ادب میں اس حوالے سے قابلِ ذکر ذخیرہ موجود ہے۔

اردو زبان کے حوالے سے جائزہ لیا جائے تو مختلف ادوار میں شعراء کرام نے قرآنی تعلیمات کو عام کرنے کے لیے قرآن کے پیغام کو شعری پیکر عطا کیا۔ یہ منظوم تراجم سینکڑوں کی تعداد میں ہیں۔ان میں قرآن حکیم کے مکمل منظوم تراجم بھی ہیں اور جزوی بھی، مطبوعہ منظوم تراجم بھی ہیں اور غیر مطبوعہ بھی، نیز ایسے منظوم تراجم بھی ہیں جن کے مترجمین نامعلوم ہیں۔

قرآن حکیم کے منظوم تراجم و تفاسیر کے آغاز کے حوالے سے دیکھا جائے تو سترھویں صدی عیسوی کے اواخر اور اٹھارہویں صدی عیسوی کی ابتداء میں ان کے اولین نقوش نظر آتے ہیں۔اب تک کے دستیاب شواہد کے مطابق منظوم تفاسیرِ قرآن میں شاہ غلام مرتضٰی جنون الہٰ آبادی کی تفسیر مرتضوی کو اولیت حاصل ہے۔یہ تیسویں پارے کی منظوم تفسیر ہے جس کی تکمیل ۱۱۹۴ھ (۱۷۸۰ء) میں ہوئی۔ تفسیر کا سنہ طباعت ۱۲۵۹ھ (۱۸۴۳ء) ہے۔شاہ غلام مرتضٰی کا شمار عہد شاہ عالم کے مقتدر شعراء میں ہوتا ہے۔[9]تفسیر مرتضوی مطبع طبّی (کلکتہ؟) سے شائع ہوئی، کل صفحات ۲۷۹ ہیں۔[10]

قرآن مجید کے مکمل منظوم تراجم کے حوالے سے دیکھا جائے تو مولوی عبدالسلام بدایونی کے ترجمے زادالآخرت کو پہلا ترجمہ قرار دیا جاتا ہے۔یہ منظوم ترجمہ ۱۸۲۸ء (۱۲۴۴ھ) میں مطبع نولکشور لکھنؤ سے طبع ہوا۔ زادالآخرت چار جلدوں پر مشتمل ہے اور اس کے کل صفحات کی تعداد ۱۷۶۲ ہے۔[11]

آنے والے ادوار میں بہت سے شعراء نے قرآن حکیم کے منظوم تراجم تحریر کیے، جن میں مکمل قرآن کے منظوم تراجم بھی

تھے اور مختلف سورتوں اور پاروں کے تراجم بھی۔ان منظوم ترجمہ نگاروں کی فہرست خاصی طویل ہے۔اہم ترجمہ نگاروں میں محمد شمس الدین شائق ایزدی، آغا شاعر قزلباش دہلوی، مطیع الرحمان خادم، سیماب اکبر آبادی، مجید الدین اثر زبیری لکھنوی، محمد ادریس کیف بھوپالی، قاری محمد ابراہیم، مرزا خادم ہوشیار پوری، سید شمیم رجز، علامہ کبیر کوثر، محبوب سکے زئی، عبد العزیز خالد، نیساں اکبر آبادی، ڈاکٹر نور احمد شیخ، انجم عرفانی، محمد امین میاں، چودھری اصغر علی کوثر وڑائچ، قاضی عطاء اللہ، ڈاکٹر احمد حسین احمد قریشی قلعہ داری، حکیم محمد نعمان ساجد، احمد عقیل روبی، مخدوم علی ممتاز اور دلاور فگار شامل ہیں۔

ذیل میں پانچ مکمل مطبوعہ منظوم تراجم کا تعارف اور ان پر مختصر تبصرہ پیش کیا جاتا ہے۔

(ا) سحر البیان از اثر زبیری لکھنوی:

اثر زبیری لکھنوی[12] قلمی نام، جب کہ اصل نام مجید الدین احمد تھا۔آبائی تعلق لکھنؤ سے تھا۔کچھ عرصہ کانپور میں بھی مقیم رہے۔ تقسیم ہند کے بعد پاکستان آ گئے اور ملیر (کراچی) میں رہائش پذیر ہوئے۔ یہیں انھوں نے سرکاری ملازمت اختیار کی۔اسی دوران قرانِ حکیم کا منظوم ترجمہ مکمل کیا۔ان کی وفات ۱۹۹۴ء میں کراچی ہوئی۔

اثر صاحب نے شاعری کا آغاز غزل گوئی سے کیا۔ طبعی طور پر ان کا میلان مذہب کی طرف تھا۔انھوں نے حمد، نعت اور منقبت کے میدان میں شہرت حاصل کی۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت سے متعلق ایک طویل نظم "شہیدؓ ستم" لکھی، جس میں ان کی خلافت اور واقعۂ شہادت سے بحث کی گئی ہے۔ان کا شمار اہم نعت گو شعراء میں ہوتا ہے۔سلسبیل کے نام سے ان کا نعتیہ مجموعہ موجود ہے، جو زبان و بیان کے اعتبار سے ایک خوبصورت کاوش ہے۔

اثر زبیری صاحب نے قرآن حکیم کے منظوم ترجمے کا آغاز جنوری ۱۹۴۳ء میں قیامِ کانپور کے دوران کیا، لیکن مصروفیات کے باعث اس کام کو جاری نہ رکھ سکے۔مارچ ۱۹۴۸ء میں کراچی میں موصوف نے یہ کام از سرِ نو شروع کیا۔چودہ برس کی محنت شاقہ کے بعد ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۹۴ھ بمطابق ۲۳ فروری ۱۹۶۲ء کو ترجمہ پایۂ تکمیل کو پہنچا۔البتہ ترجمے کی اشاعت اس وقت نہ ہو سکی اور یہ کام بارہ برس بعد عمل میں آیا۔

اثر زبیری صاحب نے ترجمہ کرتے وقت احتیاط کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑا۔دوران ترجمہ وہ مشہور عالم و مفسر قرآن مولانا عبد الماجد دریا بادیؒ سے اصلاح لیتے رہے۔انھوں نے ترجمہ مکمل کرنے کے بعد اس کا مسودہ مختلف علماء کرام کو دکھایا، تاکہ کسی قسم کا سقم باقی نہ رہے۔ان تمام احتیاطوں کے باوجود وہ اپنے منظوم ترجمے کو "نظم اردو میں قرآن کریم کا سلیس اور با محاورہ حاصل ترجمہ" قرار دیتے ہیں۔ مولانا محمد طیبؒ کے مشورے پر ترجمے کا نام سحر البیان رکھا گیا۔ مفتی محمد شفیعؒ کی رائے پر اس ترجمے میں ضرورتِ شعری کے تحت لائے گئے زائد از متن الفاظ کو واوین میں درج کیا گیا ہے۔ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا عبد الماجد دریا بادیؒ، قاری محمد طیبؒ، مفتی محمد شفیعؒ، سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ، مولانا احتشام الحق تھانویؒ وغیر ھم نے اس ترجمے کی تحسین فرمائی ہے۔

سحر البیان ۱۹۷۴ء کو الحجاز پبلشرز کراچی نے طبع کیا۔[13] ترجمہ پندرہ، پندرہ پاروں کی دو جلدوں پر مشتمل ہے۔پہلی جلد کے ابتدائی صفحات پر مترجم کا تحریر کردہ تفصیلی مقدمہ ہے۔اس کے بعد مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی تقریظ ہے۔ پھر مولانا عبد الماجد دریا بادیؒ کا لکھا ہوا پیش لفظ ہے۔بعد ازاں مولانا قاری محمد طیبؒ نے ترجمے کا تعارف کروایا ہے۔اگلے صفحات پر مفتی محمد شفیعؒ، سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ، سید اعزاز علیؒ، مولانا احتشام الحق تھانویؒ، مولانا شمس الحسنؒ اور مولانا ابو البشیرؒ کی تقاریظ

ہیں۔اس کے بعد پاروں و سورتوں کی فہرستیں دی گئی ہیں۔سحر البیان سے متعلق دیگر معلومات کے ساتھ ساتھ اس کے مآخذ بھی بیان کیے گئے ہیں۔اگلے صفحے سے منظوم ترجمے کا آغاز ہوتا ہے۔قرآنی متن کے ذیل میں ترجمہ دیا گیا ہے۔

مترجم نے ہیئت اور بحر کا انتخاب روایتی اصولوں کو مد نظر رکھ کر کیا ہے۔اس ترجمے کے لیے مثنوی کی ہیئت اختیار کی گئی ہے۔ یہ ہیئت در حقیقت افسانوی قصوں اور داستانوں کی پیشکش میں معاون ثابت ہوتی ہے، کیوں کہ ان میں اختراع کی بہت حد تک گنجائش موجود ہوتی ہے۔شاعر حسن بیان کے تحت جو اضافہ کرنا چاہتا ہے وہ اس کی مرضی پر منحصر ہوتا ہے۔قرآن حکیم کے منظوم ترجمے میں یہ ہیئت جہاں بہت سی آسانیاں پیدا کرتی ہے، وہیں اس کی وجہ سے بہت سے مسائل کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔اس کا سب سے بڑا عیب دو مصرعوں کی ایسی پابندی ہے جو ہم قافیہ و ہم ردیف ہوتے ہیں۔بعض اوقات ایک مصرعے میں نفس مضمون ادا ہو جاتا ہے، مگر ہیئت کی مجبوری کے تحت دوسرے مصرعے کو اس طرح شامل کرنا پڑتا ہے کہ اس کا انداز تصریحی اور وضاحتی نوعیت کا ہوتا ہے، جسے ترجمہ ہر گز نہیں قرار دیا جا سکتا۔مترجم نے کئی مقامات پر اس عیب سے بچنے کی کوشش کی ہے اور مضمون کی تکمیل یا آیت قرآنی کے اختتام پر نظم کے مصرعوں کو طاق ہی رہنے دیا ہے، اس طرح انھوں نے زائد مصرعے سے دامن بچا لیا ہے۔مثلاً "إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ" [14] کا ترجمہ اس طرح کیا گیا ہے:

یقیناً کافروں کے حق میں دونوں حال ہیں یکساں ڈرائیں یا نہ آپ اُن کو ڈرائیں وہ "کسی عنواں"
نہ لائیں گے کبھی ایمان" مولائے دو عالم پر" [15]

ان کا یہ طریقۂ کار لائق تحسین ہے کیونکہ ایسی صورت میں ترجمۂ قرآن کے ادب و احتیاط کا تقاضا یہی ہے۔

منظوم ترجمۂ قرآن کے حوالے سے قافیے اور ردیف کی پابندی بھی بعض اوقات ایسی کوتاہیوں کا موجب بنتی ہے جن سے ترجمے کے آداب و قوانین پر حرف آتا ہے۔مثلاً سحر البیان میں بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ کا ترجمہ دیکھیں:

خدا کے نام سے آغاز کرتا ہوں کہ "وہ آقا" بڑا ہی مہرباں ہے اور نہایت مرحمت والا [16]

مذکورہ ترجمے میں پہلے مصرعے کو اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو "وہ آقا" کا ٹکڑا صرف ضرورت شعری اور ضرورت قافیہ کے تحت شامل کیا گیا ہے، جو حشو و زوائد کی صورت میں خامی کی نشاندہی کرتا ہے۔یہ خامی تین مختلف وجوہات کی بنا پر سامنے آتی ہے۔پہلی وجہ یہ ہے کہ "مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن" کی بحر کو مد نظر رکھتے ہوئے ارکان کی تعداد پوری کرنی ہے۔دوسری مجبوری قافیے کی ہے،اور تیسری مجبوری غلط ہیئت کا انتخاب ہے۔

اسی طرح دیگر مقامات پر بھی اس نوع کی کوتاہیاں نظر آتی ہیں۔مثلاً سورہ فاتحہ کے الفاظ "الْحَمْدُ لِلَّهِ" [17] کے ترجمے پر نظر ڈالی جائے تو مترجم نے اسے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

خدا ہی کے لیے ہر قسم کی تعریف زیبا ہے [18]

مذکورہ آیت کا نثری ترجمہ "ہر تعریف اللہ کے لیے ہے" ہے، منظوم ترجمے میں "زیبا" کا لفظ حشو کے زمرے میں آتا ہے۔

"وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ" [19] کا منظوم ترجمہ حسب ذیل ہے:

اور ان سارے نوشتوں کے بھی ہیں ماننے والے جو نازل آپ سے پہلے ہوئے تھے "رب کی جانب سے" [20]

اس ترجمے میں "رب کی جانب سے" زائد از متن ہے، جسے واوین میں لکھا گیا ہے۔اس کے علاوہ پہلا مصرع الفاظِ قرآنی کی

توضیحی صورت ہے، کیوں کہ اس کے تمام الفاظ کے مقابل متن موجود نہیں ہے۔

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو گو اس منظوم ترجمے میں شاعر نے حتی الامکان روزمرہ محاورے کی پابندی کی ہے، مگر ہیئت اور مخصوص بحر کے استعمال کی وجہ سے اس میں کئی خامیاں پیدا ہو گئی ہیں۔

(۲) وحیِ منظوم از سیماب اکبر آبادی:

شیخ عاشق حسین صدیقی[21] ۵جون ۱۸۸۲ء (۲۸رجب ۱۲۹۹ھ)[22] کو اکبر آباد (آگرہ) میں پیدا ہوئے۔وہ والدین کی طرف سے رکھے جانے والے اس نام کے بجائے اپنے قلمی نام "سیماب اکبر آبادی" سے مشہور ہوئے۔ان کے والد کا نام مولانا محمد حسین صدیقی تھا۔ سیماب کی تعلیم کی ابتداء عربی اور فارسی سے ہوئی۔انھوں نے اس حوالے سے مروجہ کتب مولانا جمال الدین سرحدی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا قمر الدین اور مولانا عبد الغفور سے پڑھیں۔اپنے والد کے قائم کردہ نجی کتب خانے سے بھی وہ فیض یاب ہوئے۔ کم عمری میں ہی انھیں زبان و بیان اور علم عروض پر عبور حاصل ہو گیا تھا۔

مولانا محمد حسین اپنے بیٹے کو بہتر تعلیم دلوانا چاہتے تھے،اس لیے انھوں نے رواج عام کے خلاف سیماب کو انگریزی سکول میں داخل کروایا۔اس ادارے میں انھوں نے مولوی سدید الدین قریشی اکبر آبادی، مولوی تحسین علی اجمیری اور مولوی عابد حسین سے فیض پایا۔ اساتذہ نے ان کے ذوق شاعری کو پروان چڑھایا۔ سیماب صاحب اپنے نصاب میں شریک فارسی اشعار کا منظوم اردو ترجمہ کرکے اساتذہ کے سامنے پیش کرتے،اور وہ ان کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔

سیماب اکبر آبادی کی طبیعت کم عمری میں ہی شعر کہنے کی طرف مائل ہو گئی تھی۔طالب علمی کے زمانے ہی میں انھوں نے سیماب تخلص اختیار کر لیا تھا۔وہ ابھی انٹر کے سال آخر میں تھے کہ والد کے انتقال کے سبب انھیں تعلیم ادھوری چھوڑنا پڑی۔ والد کی کتابوں کی کھپت کی وجہ سے کچھ عرصہ تو گذر بسر ہوتی رہی، لیکن یہ آمدنی کا مستقل ذریعہ نہ تھا۔بڑا بیٹا ہونے کی وجہ سے خاندان کی کفالت کی ذمہ داری ان کے کاندھوں پر آپڑی، اور انھیں ملازمت اختیار کرنا پڑی۔اس غرض سے وہ کانپور چلے گئے اور ایک کمیشن ایجنٹ کے ہاں کچھ روز ملازمت کی۔ ۱۸۹۸ء کے اواخر میں وہ دوبارہ کانپور گئے اور ایک کارخانے میں بطور فیکٹری کلرک ملازم ہو گئے۔ بیس سال کی عمر میں ان کی شادی ہو گئی۔ان کی زوجہ سکینہ خاتون، ملا امام الدین (رئیس حویلی بشیر خاں۔ آگرہ) کی بیٹی تھیں۔ان سے سیماب صاحب کے چار بیٹے اور دو بیٹیاں ہوئیں۔

سیماب اکبر آبادی نے شاعری کی ابتداء قیام اجمیر کے دوران زمانۂ طالب علمی سے کر دی تھی، لیکن شاعری میں کسی سے اصلاح کا تعلق قائم نہ تھا، نہ ہی وہ کسی کے باضابطہ شاگرد تھے۔ ۱۸۹۸ء میں انھوں نے منشی نظیر حسن سخا دہلوی کے مشورے سے کانپور میں داغ دہلوی سے ملاقات کی۔ دورانِ ملاقات حضرت داغ نے سیماب صاحب سے ایک غزل سنی اور انھیں اپنا شاگرد بنا لیا۔[23]

ملازمت کے سلسلے میں سیماب کا قیام مختلف شہروں میں رہا۔ان کی طبیعت ملازمت سے مناسبت نہ رکھتی تھی،اس لیے انھوں نے اسے ترک کرنے کا فیصلہ کیا۔اس ارادے پر عمل کرتے ہوئے قریباً جون ۱۹۲۸ء میں وہ مستقل آگرہ آگئے اور علمی و ادبی مصروفیات کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا۔ انھوں نے مختلف رسائل و جرائد کا اجرا کیا، جن میں سب سے اہم رسالہ شاعر تھا۔اس رسالے کی اشاعت کا آغاز فروری ۱۹۳۰ء میں ہوا۔ یہ پرچہ سیماب صاحب کے علمی و ادبی افکار کا ترجمان ہونے کے ساتھ ساتھ دبستان سیماب کا نقیب بھی تھا۔اس کی اشاعت اب تک جاری و ساری ہے۔

قیامِ پاکستان کے بعد سیماب صاحب پاکستان آئے اور اپنے بیٹے مظہر صدیقی کے ساتھ کراچی میں مقیم رہے۔آخری عمر میں وہ فالج کے مرض کا شکار ہوئے۔اسی عارضے کے باعث اردو کے اس نامور شاعر نے ۳۱ جنوری ۱۹۵۱ء کو کراچی میں وفات پائی۔انھیں مزار قائد کے احاطے میں دفن کیا گیا۔

سیماب اکبر آبادی نے تمام اصناف سخن میں طبع آزمائی کے ساتھ ساتھ نثر بھی لکھی۔انھوں نے مختلف معاشرتی وسیاسی موضوعات پر قلم اٹھایا۔ نظم ونثر میں ان کی تصانیف کی تعداد تین سو کے لگ بھگ ہے۔ان میں سے نصف سے زائد کتب شائع نہ ہو سکیں۔ان کی شاعری کے اہم مجموعوں میں کلیمِ عجم، لوحِ محفوظ، نیستاں، کارِ امروز، سازِ حجاز اور قائد کی خوشبو شامل ہیں،جب کہ منظوم تراجم میں سے وحیِ منظوم اور الہامِ منظوم نے شہرت پائی۔

سیماب اکبر آبادی کا انداز واسلوب جہاں روایت سے جڑا ہوا ہے وہیں جدت خیال اور ندرت فکر سے اس کی آراستگی بھی قابل توجہ ہے۔ان کے منظوم ترجمۂ قرآن مجید میں بھی ان کی یہی جودت طبع اپنی تمام تر تزئینی خوبیوں کے ساتھ دل میں گھر کر لیتی ہے۔ سیماب صاحب نے دوست احباب اور علماء ومشائخ سے مشاورت کے بعد منظوم ترجمۂ قرآن کا آغاز ۱۹۴۳ء میں کیا۔[24]

انھوں نے شاہ عبد القادرؒ اور شیخ الہند مولانا محمود حسن کے تراجمِ قرآن مجید کی مدد سے وحیِ منظوم کے نام سے منظوم ترجمۂ قرآن مکمل کیا۔ اس دوران وہ مختلف لغات سے بھی استفادہ کرتے رہے ،جن میں فرہنگِ آصفیہ، لغاتِ کشوری اورنور اللغات شامل ہیں۔ سیماب صاحب مستقل مزاج شخصیت کے حامل تھے، کبھی کسی کام کو ادھورا نہ چھوڑتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کام کے دوران انھوں نے اپنی دیگر مصروفیات ترک کر دیں اور مکمل توجہ اور یکسوئی سے اس ترجمے پر کام کیا۔اس طرح یہ ترجمہ قلیل وقت میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔کُل سات ماہ اور نو دن میں ترجمہ مکمل کر لیا گیا۔

قرآن مجید کے ترجمے کے حوالے سے سیماب صاحب نے احتیاط اور تقویٰ کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیا۔یہی وجہ ہے کہ ترجمے کی تکمیل کے بعد انھوں نے اس پر نظرِ ثانی کی۔انھوں نے مختلف اشاعتی اداروں کی طرف سے بھاری رقوم کی پیشکش ٹھکرا دی۔ وہ اس حقیقت کا ادراک رکھتے تھے کہ ترجمے میں معمولی لغزش بھی بہت بڑا گناہ ہے،لہٰذا نظرِ ثانی کے بعد انھوں نے وحیِ منظوم کا مسودہ مختلف مکاتبِ فکر کے علماءِ کرام اور ناقدینِ ادب کو اصلاح کی غرض سے دکھایا۔اس حوالے سے انھوں نے جن شخصیات سے رابطہ کیا ان میں مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ، مولانا محمد حفظ الرحمٰنؒ، خواجہ حسن نظامی اور مولانا عتیق الرحمٰنؒ شامل ہیں۔ان حضرات کی آراء کی روشنی میں سیماب صاحب نے ترجمے کی تصحیح فرمائی۔

سیماب صاحب نے شعری ضروریات کے تحت ترجمے میں کیے جانے والے اضافے قوسین میں درج کیے، تاکہ قاری کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو،اور اسے یہ علم ہو جائے کہ یہ الفاظ قرآن کا ترجمہ نہیں بلکہ اس کی وضاحت ہیں۔اس کے بعد بھی وہ تین سال تک ایک ایک لفظ پر غور و فکر کرتے رہے۔اسی دوران تقسیمِ ہند عمل میں آئی۔ان مخدوش حالات میں سیماب صاحب وحیِ منظوم کی طباعت کا اہتمام نہ کرسکے۔ پاکستان آنے کے بعد بھی انھوں نے ترجمے کی اشاعت کے لیے دوڑ دھوپ کی مگر اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔بسترِ علالت پر انھوں نے اپنے بیٹے مظہر صدیقی کو وحیِ منظوم شائع کرانے کا حکم دیا، جنھوں نے والد کی اس خواہش کو عملی جامہ پہنایا۔سب سے پہلے تیسواں پارہ پرچم پریس کراچی سے ۱۹۵۲ء میں شائع کیا گیا۔[25] بعد ازاں ۱۹۸۱ء میں مکمل ترجمۂ قرآن مجید طبع ہوا۔

وحیِ منظوم صوری اور معنوی ہر دو اعتبار سے خوبصورتی کا حامل ہے۔ سیماب اکیڈمی کراچی نے اسے نومبر ۱۹۸۱ء

میں شائع کیا۔ سفید کاغذ پر طبع شدہ یہ نسخہ مجلد اور لیمینیٹڈ (Laminated) ہے۔ترجمے کے آغاز پر مظہر صدیقی نے سیماب صاحب کے حالاتِ زندگی اختصار سے بیان کیے ہیں، نیز وحیِ منظوم کے آغاز و تکمیل کے بارے میں اہم باتیں تحریر کی ہیں۔ اس کے بعد مظہر صدیقی کے نام مولانا جمال میاں فرنگی محلّی کا خط ہے، جس میں منظوم ترجمے کو سراہا گیا ہے۔ بعدازاں جسٹس آفتاب احمد (چیئر مین وفاقی شرعی عدالت) کا تحسینی خط ہے۔ اگلے صفحات پر وحیِ منظوم کے بارے میں راجہ محمد ظفرالحق کی رائے اور محمد علی خان ہوتی (وزیر تعلیم) کا تبصرہ ہے۔ پھر مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ اور مولانا عتیق الرحمٰن عثمانیؒ کی آراء ہیں۔ اگلے دو صفحات پر اے۔کے بروہی صاحب کا انگریزی زبان میں ترجمے پر تبصرہ ہے۔ بعد ازاں پروفیسر غلام مصطفیٰ خاں کا تحریر کردہ مبسوط مقدمہ ہے ،جوچار صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ پھر تہدیہ بنام سید المرسلین محمد مصطفیٰ (ﷺ) ہے۔اس صفحے پر ۲۳ شعبان المعظم ۱۳۶۵ھ کی تاریخ رقم ہے۔اس کے بعد ترجمے کا آغاز ہوتا ہے۔

اس اشاعت میں ترتیب یہ رکھی گئی ہے کہ دائیں صفحے پر قرآنی متن چھاپا گیا ہے، جب کہ بائیں صفحے پر اس کے مقابل منظوم ترجمہ درج ہے۔ مختصر حاشیہ بھی موجود ہے، جس میں اہم تفسیری نکات کو نثر میں اختصار سے بیان کیا گیا ہے۔ اگر مقابل صفحے پر متعلقہ آیات کا منظوم ترجمہ مکمل نہ ہو تو بقیہ ترجمہ حاشیے میں لکھا گیا ہے۔منظوم ترجمے کے صفحات کی کل تعداد ۹۶۸ ہے۔ اختتام پر منظوم دعائے ختم القرآن ہے۔

آخری صفحات پر ترجمے کے بارے میں درج ذیل مشاہیر کی آراء پیش کی گئی ہیں: مولانا محمد حفظ الرحمٰنؒ صاحب، خواجہ حسن نظامیؒ، مولانا عبد النعیم صدیقیؒ، مولانا محمد صادقؒ، مولانا محمد میاںؒ، مولانا احمد علیؒ، مفتی محمد نعیم لدھیانویؒ، مولانا محمد ادریسؒ۔

وحیِ منظوم کے سرورق سے ہی یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اس منظوم ترجمے میں قرآن حکیم کے مفہوم کی توضیحی صورت بھی موجود ہے۔ گویا یہ تفسیری انداز کا حامل منظوم ترجمہ ہے، اس لیے ترجمے میں موجود توضیحی اور وضاحتی مصرعے بھی قابل توجہ ہیں۔

فنی حوالے سے دیکھا جائے تو یہ ترجمہ مثنوی کی ہیئت میں ہے۔ اس کے لیے اختیار کردہ بحر، بحرِ رمل محذوف (فاعلاتن فاعلاتن فاعلن) ہے۔ مترجم کے ہاں مثنوی کی ہیئت میں چند تصرفات بھی موجود ہیں۔ نفسِ مضمون کی ادائیگی کے لیے وہ مثنوی کی ہیئت کے برخلاف تیسرے ہم قافیہ مصرعے کی بھی گنجائش پیدا کرتے ہیں اور ایک مصرعے میں مفہوم کو ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ نفسِ مضمون کی ادائیگی کے لیے سیماب صاحب نے اس طرح کا جو طریقۂ کار اختیار کیا وہ سراسر اجتہادی تھا۔

مثنوی کی ہیئت میں یہ تبدیلی فنی حوالے سے تو درست قرار نہیں دی جاسکتی، تاہم قرآن حکیم کے منظوم ترجمے کے لیے یہ تصرف بہتر نظر آتا ہے۔اس حوالے سے کچھ مثالیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں:

رکھو آیندہ کا بھی کچھ بندوبست اپنے لیے — یہ سمجھ لو، اُس سے ملنا ہے، ڈرو اللہ سے

اور جو ہیں اہلِ ایماں اُن کو مژدہ دیجیے [26]

مذکورہ تینوں مصرعوں کا جائزہ لیا جائے تو مثنوی کی ہیئت میں تبدیلی واضح نظر آتی ہے۔ کیوں کہ یہاں تیسرا مصرع اضافی ہے۔ شاعر نے نفسِ مضمون کی ادئیگی کے لیے قرآن حکیم کے ترجمے کے اصول و ضوابط کو مد نظر رکھتے ہوئے صرف ایک مصرعے کے ذریعے ہی مفہوم کو ادا کر دیا۔البتہ اس مصرعے میں فنی حوالے سے ایک کوتاہی بھی موجود ہے، پہلے دو مصرعوں

میں "تم" کا صیغہ جمع حاضر قائم کیا گیا ہے۔

جبکہ تیسرے مصرعے میں "آپ" کا صیغہ مستعمل ہے جو کہ ایک فنی خامی تصور کیا جائے گا۔

سورۃ بقرۃ کی آیت: "فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِيَ أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ" [27] کا ترجمہ اس حوالے ایک اور مثال کے طور پر دیکھتے ہیں:

پھر جو پوری کرلیں عدت، تو نہیں کچھ تم پہ بار — قاعدے سے جو کریں اپنے لیے وہ اختیار

اور تمہارے کاموں سے آگاہ ہے پروردگار[28]

اس مقام پر بھی شاعر نے تیسرے مصرعے کا جو اضافہ کیا ہے، وہ اہمیت کا حامل ہے۔اس سے نہ صرف مترجم کی جودتِ طبع اور خلاقی نمایاں ہوتی ہے، وہیں یہ حقیقت بھی واضح ہوتی ہے کہ مثنوی کی ہیئت میں قرآن مجید کا منظوم ترجمہ بہت مشکل ہے، تاہم شاعر اگر اس میں مختلف انواع کی اختراعات اختیار کرلے تو اس کے لیے آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔اس ذریعے سے وہ نہ صرف ایجاز و اختصار سے کام لے سکتا ہے بلکہ متن کے مفہوم کی بہتر ادائیگی بھی ممکن ہو جاتی ہے۔ نیز اضافی الفاظ و مفاہیم سے بھی شاعر کی جان چھوٹ جاتی ہے۔

ہیئت کے حوالے سے شاعر نے اپنی مشکلات اضافی مصرعوں کے ذریعے کم کرلیں، تاہم بحر اور ردیف و قافیہ کی پابندیوں کی وجہ سے وہ ترجمے میں در آنے والے اضافی مفاہیم سے دامن نہ بچاسکے۔اس حوالے سے سورۃ کوثر کی پہلی دو آیات "إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ" [29] کے ترجمے کی مثال ملاحظہ ہو:

(اے پیمبر) ہم نے بے شک تم کو کوثر دے دیا — پس پڑھو رب کی نماز، اور پھر کرو شکرِ خدا[30]

یہاں پہلا مصرع تو متن کے مطابق ہے، تاہم دوسرے مصرعے میں "اور پھر کرو شکرِ خدا" کے الفاظ متن سے زائد ہیں۔ شاعر نے بحر کی پابندی اور قافیہ پورا کرنے کے لیے یہ الفاظ استعمال کیے ہیں، جن کی وجہ سے ترجمہ متن سے دور ہو گیا ہے۔

اسی طرح بعض مقامات پر واوین میں درج الفاظ کی وجہ سے ترجمے کی روانی اور حسن متاثر ہوتا ہے۔ مثلاً:

تم کہو (کچھ) کرو (کچھ بھی) نہیں، (سوچو تمہیں)[31]

ایک مصرعے میں تین واوین نے جہاں نظم کی خوبصورتی کو ماند کیا ہے وہیں درست مفہوم اخذ کرنے کے حوالے سے قاری کو بھی مشکل سے دوچار کر دیا ہے۔

مجموعی طور پر یہ ترجمہ اپنی سلاست اور اسلوبِ بیان کے اعتبار سے دیگر کئی منظوم تراجم پر فوقیت رکھتا ہے۔ اندازِ بیان دلنشیں ہے اور یہ خوبی فطری انداز میں اس ترجمے سے عیاں ہوتی ہے۔ سیماب صاحب نے روایت کی مکمل پیروی کے ساتھ ساتھ جدتِ طبع کی بدولت ترجمے کے لیے بہتر ہیئت کا انتخاب کیا، جس کی بنا پر انھیں متنِ قرآنی کی بہتر ترجمانی میں سہولت رہی۔اس کے ساتھ ساتھ ان کی زبان و اسلوب بھی خوبصورت اور پُر اثر ہے، جس نے ان کے لیے اس کارِ دشوار کو سہل بنایا۔ تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ شاعری کے لوازم ان کے لیے قدم قدم پر رکاوٹیں کھڑی کرتے رہے، جس کی وجہ سے چند دیگر فروگذاشتوں کے ساتھ متن سے زائد مفہوم بھی ترجمے میں شامل ہو گیا۔

(۳) آبِ رواں از سید شمیم رجز:

سید شمیم رجز[32] کا اصل نام سید نجم الحسن رضوی تھا۔ وہ موضع محمد پور ملاسا، ضلع کانپور، یوپی (برٹش انڈیا) میں پیدا

ہوئے۔ ان کا سنہ پیدائش ۱۹۲۰ء ہے۔ رجز صاحب اپنے والدین کی پہلی اولاد تھے۔ ان کی دو بہنیں اور چار بھائی تھے۔ والد کا نام سید یعقوب الحسن رضوی، جب کہ والدہ کا نام اعجاز فاطمہ رضوی تھا۔ سید صاحب کا سلسلۂ نسب چالیسویں پشت میں امام جعفر صادقؑ سے جاملتا ہے۔

سید شمیم رجز کی تعلیم کی ابتداء گھر سے ہوئی۔ پھر انھوں نے سکول کا رخ کیا اور ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں کے پرائمری سکول سے حاصل کی۔ بعد ازاں انھیں بی۔ این ہائی سکول اکبر پور میں داخل کروایا گیا۔ میٹرک کی سند ایس۔ آئی کالج لکھنؤ سے حاصل کی، اس امتحان میں انھوں نے امتیازی نمبر حاصل کیے۔ مذکورہ کالج ہی سے انھوں نے ایف۔ ایس۔ سی کا امتحان پاس کیا۔ بعد ازاں انھوں نے انجینیئرنگ کی تعلیم حاصل کی۔ جھانسی اور بمبئی میں جے آئی پی آر کے ادارے سے لوکو موٹیو میں سب انجینیئرنگ کا امتحان پاس کیا۔

۱۹۴۷ء میں قیام پاکستان کے بعد سید شمیم کا خاندان پاکستان آگیا۔ وہ ۱۴ اگست سے قبل ہی پاکستان تشریف لے آئے اور لاہور میں رہائش پذیر ہوئے۔ ان کے والد سید یعقوب الحسن رضوی نے درس و تدریس کا پیشہ اختیار کیا اور گڑھی شاہو میں ایک کالج میں پڑھانے لگے۔ جب کہ رجز صاحب کو پاکستان ریلویز میں ملازمت مل گئی اور انھوں نے ریلویز کی آئرن اینڈ سٹیل شاپ میں کام شروع کیا۔ اسی دوران ان کا تبادلہ حیدر آباد سندھ میں ہو گیا۔ وہاں انھوں نے تعلیم کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا اور سٹی آرٹس کالج سے بی۔ اے آنرز کیا۔ کچھ عرصے بعد ان کا تبادلہ واپس لاہور ہو گیا۔ لاہور آکر انھوں نے علم کی تشنگی بجھانے کے لیے اورینٹل کالج لاہور کا رخ کیا اور وہاں سے ایم۔ اے اردو کی سند حاصل کی۔

سید صاحب دو مرتبہ رشتۂ ازدواج سے منسلک ہوئے۔ پہلی شادی قیام پاکستان سے قبل فروری ۱۹۴۷ء میں ماموں زاد "احسان فاطمہ" سے ہوئی۔ اس سے ان کی ایک بیٹی سیدہ در نجف رضوی زیبی (پ فروری ۱۹۵۰ء) اور ایک بیٹا سید حیدر شکوہ رضوی (پ دسمبر ۱۹۵۱ء) پیدا ہوئے۔ سیدہ احسان فاطمہ نے ۱۹۵۵ء میں ٹائیفائیڈ کے مرض کے باعث وفات پائی۔

رجز صاحب کی دوسری شادی ۱۹۵۷ء میں حیدر آباد کے مقام پر ہوئی۔ اس شادی سے ان کے پانچ بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔

قیام لکھنؤ (۱۹۳۶ء تا ۱۹۴۴ء) کے دوران سید صاحب نے فنِ شعر کے میدان میں حضرت مہذب لکھنوی کی شاگردی اختیار کی۔ جن سے انھوں نے شعر گوئی کے اسرار و رموز سیکھے۔ انھیں اپنے استاد پر ناز تھا، وہ ہمیشہ ان کا ذکر بڑے احترام سے کرتے تھے۔ آب رواں کے ابتدائیے میں اپنے استاد گرامی کے بارے میں فرماتے ہیں:

> پاکستان بن جانے کی وجہ سے آب رواں کو استاد محترم حضرت مہذب لکھنوی کی خدمت میں پیش کرنے سے محروم رہا ہوں لیکن قیام لکھنؤ کے دوران (۱۹۳۶ تا ۱۹۴۴) حضرت اقدس نے اس حقیر کو فن شعر کی جو تعلیم دی ہے انشا اللہ اس کی بنا پر مجھے کسی کے سامنے شرمندگی نہ ہو گی۔[33]

شاعری رجز صاحب کی فطرت میں موجود تھی۔ اوائلِ عمری میں ہی انھوں نے شعر کہنے شروع کر دیے تھے۔ ان کی بیٹی سیدہ در نجف زیبی کی رائے کے مطابق سید شمیم نے دو تخلص اختیار کیے، "شمیم" اور "رجز"۔[34] ابھی وہ آٹھویں جماعت ہی کے طالب علم تھے کہ ان کا ابتدائی کلام شائع ہوا، جس کا نام دریائے غم تھا۔ اس کے دو سال بعد دوسرا مجموعہ محافظ اسلام کے نام سے طبع ہوا۔ شعر گوئی سے اس قدر لگاؤ کے باوجود وہ پڑھائی کے میدان میں بھی کسی سے پیچھے نہ رہے، اور ہر جماعت میں

اول آتے رہے۔ تھوڑے ہی عرصے بعد لکھنؤ سے ان کی ایک اور تصنیف منظر عام پر آئی، کتاب کا نام گلستان فاطمہ تھا۔

سید صاحب نے قیام لاہور کے دوران اپنی ادبی تخلیقات کا سلسلہ جاری رکھا۔ وہ مشاعروں اور محافل مسالمہ میں شریک ہوتے رہے، تاہم انھوں نے کسی ادبی گروہ سے تعلق نہ رکھا، کیوں کہ یہ ان کے مزاج کے خلاف تھا۔ اردو شعراء میں سے انھیں انیس، میر، غالب اور جوش سے زیادہ لگاؤ تھا۔ سخن کے میدان میں ان کا مقولہ "ادب برائے ثواب" تھا، جس پر وہ ساری زندگی کار بند رہے۔ اس میدان میں انھوں نے ۶۷ برس سے زائد طبع آزمائی کی۔

۱۹۸۹ء میں سید شمیم امریکہ چلے گئے، جہاں وہ اپنے بیٹے سید حیدر شکوہ رضوی کے پاس لاس اینجلس میں قیام پذیر ہوئے۔ بعد ازاں ان کے دوسرے بیٹے بھی امریکہ منتقل ہوئے تو رجز صاحب ان کے پاس شکاگو میں مقیم ہو گئے۔ انھوں نے بقیہ زندگی امریکہ میں ہی گزاری۔ وہ ساری زندگی صحت مند رہے، البتہ آخری عمر میں انھیں نسیان کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا۔ اس عظیم شاعر کا انتقال ۱۲ جولائی ۲۰۱۲ء کو شکاگو میں ہوا۔ ان کی تدفین شکاگو ہی میں عمل میں لائی گئی۔

سید شمیم رجز قادر الکلام شاعر تھے۔ انھوں نے مختلف اصناف سخن میں طبع آزمائی کی، جن میں مثنوی، مرثیہ، منقبت، سلام، مناجات اور رباعیات شامل ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے نثر میں تنقید و تحقیق اور انجینیئرنگ کے موضوعات پر قلم اٹھایا۔ رجز صاحب کی تصانیف میں سے سب سے اہم قرآن مجید کا منظوم ترجمہ ہے۔ علاوہ ازیں مختلف موضوعات پر ان کی ایک درجن کے لگ بھگ کتب موجود ہیں۔ جن میں میرِ کارواں، نقشِ جاوداں اور خلوصِ بیکراں اہم ہیں۔ قیام امریکہ کے دوران ۲۰۰۶ء میں سید صاحب کو ان کی ادبی خدمات کے صلے میں ایک عالمی اعزاز سے بھی نوازا گیا، جس کا نام "حسن اردو انٹر نیشنل ایوارڈ" ہے۔[35]

سید شمیم رجز کی تالیفات میں سے اہم ترین کارنامہ آب رواں کے نام سے منظوم ترجمۂ قرآن ہے۔ اس منظوم ترجمے کی ابتداء انھوں نے فروری ۱۹۵۲ء میں کی۔ پہلا پارہ مکمل ہونے کے بعد ۱۹۶۰ء میں علمی پرنٹنگ پریس لاہور سے شائع کروایا گیا۔ دوسرا پارہ ۱۹۶۴ء میں چھپا، مطبع کا نام اشرف پریس لاہور تھا۔ تیسرے پارے کی طباعت ۱۹۶۶ء میں عمل میں آئی، چھاپہ خانہ اشرف پریس لاہور ہی تھا۔ ان اشاعتوں میں دائیں صفحے پر آیاتِ قرآنی چھاپی گئی ہیں، زیرِ متن شاہ رفیع الدین دہلوی کا نثری ترجمہ درج ہے، جب کہ سید صاحب کا منظوم ترجمہ بائیں صفحے پر ہے۔

اس منظوم ترجمۂ قرآن کی تکمیل ۱۹۶۵ء میں ہوئی، اور اس کا نام مثنوی آب رواں رکھا گیا۔ مثنوی کے اشعار کی کل تعداد سترہ ہزار تھی۔ بعد ازاں موصوف نے مختلف اوقات میں اس ترجمے پر نظرِ ثانی کا اہتمام کیا۔ بالآخر ۱۹۷۷ء میں یہ کام بھی مکمل ہو گیا۔ منظوم ترجمہ کی تخلیق اور اس پر نظرِ ثانی کے وقت انھوں نے بہت محنت و کاوش سے کام کیا۔ اس حوالے سے وہ خود بیان فرماتے ہیں:

> "جن مقامات پر قلم رک جاتا تھا اور ہمت جواب دے جاتی تھی اس وقت بارگاہ خدا میں دست دعا بلند کرنے کا فوری اور حیران کن نتیجہ ہوتا تھا۔ بارہ سال تک ایک ایک لفظ ایک ایک مصرعے اور ایک ایک شعر کو دس دس مرتبہ درست کرنے کا سلسلہ جاری رہا۔ الفاظ کو روزمرہ بول چال میں جس طرح لکھنؤ، دہلی، لاہور، کراچی، پشاور اور کوئٹہ کی گلیوں میں بولا جاتا ہے اسی بے ساختگی کے ساتھ نظم کرنے کا شوق، تعقید سے بچنے اور نظم کو نثر کے بالکل قریب لے آنے کی تمنا اور ہر وقت یہ فکر کہ آیات کی صحیح

ترین ترجمانی کے باوجود آب رواں کے قاری کو کسی مقام پر یہ احساس نہ ہو کہ یہ کسی کتاب کا "ترجمہ" ہے اس کے لیے خون جگر کی قربانی دی گئی۔"[36]

رجز صاحب کی خواہش تھی کہ آب رواں جلد از جلد شائع ہو جائے، لیکن ناشرین کے تقاضے ان کی اس آرزو کے آڑے آ گئے، جس کے باعث اشاعت کے کام میں تاخیر ہوتی چلی گئی۔ بالآخر انھوں نے فیصلہ کیا کہ قرآن حکیم کے متن اور منظوم ترجمے کی کتابت وہ خود کریں گے، اور اپنے اس ارادے پر انھوں نے فوراً عمل شروع کر دیا۔ موصوف نے اس کام کا آغاز نے ۷ جون ۱۹۷۸ء کو کیا اور یکم جنوری ۱۹۸۰ء کو یہ سلسلہ مکمل ہوا۔ سید شمیم نے منظوم ترجمۂ قرآن کو چھ، چھ پاروں کی پانچ جلدوں میں شائع کرنے کا ارادہ کیا۔ اس اشاعت میں بھی ترتیب سابقہ اشاعتوں کی طرح ہی رکھی گئی، یعنی دائیں صفحے پر قرآنی متن کے نیچے شاہ رفیع الدین دہلوی کا نثری ترجمہ چھاپا گیا، جب کہ بائیں صفحے پر منظوم مطالب و معانیٔ قرآن مجید درج کیے گئے۔ اس سلسلے کی پہلی جلد ۱۹۸۰ء میں پاکستان ٹائمز پریس لاہور سے طبع ہوئی۔ یہ سلسلۂ اشاعت ۱۹۸۵ء میں پانچویں جلد کی اشاعت پر مکمل ہوا۔[37]

پہلی اشاعت میں مثنوی آب رواں کے نسخوں کی تعداد بہت کم تھی، جس کی وجہ سے یہ ترجمہ جلد ہی ختم ہو گیا۔ سید صاحب کے امریکہ منتقل ہو جانے کے باعث ترجمے کی اشاعت کا سلسلہ جاری نہ رہ سکا۔ تاہم ان کی خواہش اس وقت تکمیل کو پہنچی جب رمضان المبارک ۱۴۲۶ھ بمطابق اکتوبر ۲۰۰۵ء میں مثنوی آب رواں اظہار سنز لاہور نے شائع کی۔ تیس پاروں کی ایک جلد پر مشتمل یہ ایڈیشن دیدہ زیب طباعت کا حامل ہے۔ ہر صفحے پر سبز رنگ کا حاشیہ ہے، جس میں دو کالم بنائے گئے ہیں۔ دائیں طرف ہلکے سبز رنگ کے کالم میں متنِ قرآن مجید ہے، جب کہ بائیں طرف سفید کالم میں منظوم ترجمانی ہے۔ شاہ رفیع الدین کا نثری ترجمہ اس اشاعت میں غالباً ضخامت کی وجہ سے شامل نہیں کیا گیا ہے۔ ترجمے کے اختتام پر فہرست ہے، جبکہ آخری صفحات پر اہل علم کی آراء اور تبصرے پیش کیے گئے ہیں۔

آب رواں قرآن حکیم کے منظوم تراجم میں اہم اضافہ ہے۔ یہ ترجمہ سید شمیم رجز نے مثنوی کی ہیئت میں کیا ہے۔ ترجمہ کے لیے اختیار کردہ بحر، بحرِ متقارب محذوف ہے، جو فعولن فعولن فعولن فَعَل/فعول کے ارکان پر مشتمل ہے۔ یہ بحر غنائیت اور ترنم کی حامل ہے۔ اس بحر کو داستانوی پیرایۂ اظہار کے لیے موزوں خیال کیا جاتا ہے۔ سید صاحب نے اس بحر کو قرآن حکیم کے مطالب و مفاہیم کی ادائیگی کے لیے خوبی سے استعمال کرنے کی سعی کی ہے۔ موصوف نے مقدور بھر کوشش کی ہے کہ روزمرہ اور محاورے کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی تحریری اپچ کو بروئے کار لایا جائے۔

قرآن حکیم کی آیات کے مفاہیم کو پیش کرنے میں وہ کس حد تک کامیاب رہے ہیں، اس کی کسی قدر وضاحت سطورِ ذیل سے ہو جائے گی۔ آب رواں کے سرسری جائزے سے ہی یہ واضح ہو جاتا ہے کہ قران حکیم کے ترجمے کی مشکلات کے باعث سید شمیم سے مفہوم قرآنی کی پیشکش کے حوالے سے کچھ لغزشیں ہوئی ہیں۔ مثلاً سورۃ بقرۃ کی آیت: "خَتَمَ اللّٰہُ عَلَی قُلُوبِهِمْ وَعَلَی سَمْعِهِمْ"[38] کا ترجمہ درج ذیل ہے:

ہے مُہرِ خدا گوش و دل پر لگی　　　انھیں راہ سیدھی نہیں سوجھتی[39]

اس ترجمے کا پہلا مصرع تو قرآنی متن سے مطابقت رکھتا ہے، لیکن دوسرے مصرعے میں جو مضمون بیان کیا گیا ہے، اس کے مقابل قرآنی الفاظ موجود نہیں ہیں۔ آیتِ قرآنی میں "سیدھی راہ سوجھنے" کے الفاظ کے مقابل متن موجود نہیں ہے۔ دراصل شاعر نے بحر کے ارکان پورا کرنے اور قافیے کے التزام کی وجہ سے یہ الفاظ لائے ہیں، جس کی بنا پر نفسِ مضمون کی پیروی نہ ہو

سکی۔ نتیجتاً ترجمے میں وہ مفہوم در آیا جو قرآنی الفاظ سے مختلف ہے۔

سورۃ بقرۃ کی ایک اور آیت کے ٹکڑے "وَمَا يَشْعُرُونَ"[40] کا منظوم ترجمہ اس طرح کیا گیا ہے:

ہے فہم وفراست کا ان کو جنوں انہیں کی نشانی ہے مایشعروں[41]

اس شعر کے دونوں مصرعوں میں معانی و مفہوم کے اعتبار سے خامیاں موجود ہیں۔ یہاں روزمرہ محاورے کا اہتمام خوبصورت ہے، مگر نصِ قرآنی کو پیش نظر رکھتے ہوئے نفسِ مضمون کی ادائیگی درست انداز میں نہیں کی گئی۔ پہلا مصرع "ہے فہم وفراست کا ان کو جنوں" اپنے کثیر الجہت معانی کے تناظر میں مختلف النوع مفاہیم کا حامل ہے۔ ان میں سے زیادہ قرین قیاس صرف یہی مفہوم ہے کہ انہیں فہم وفراست کے حصول کا جنون اور اشتیاق تھا۔ اگر اس مفہوم کو درست مان لیا جائے تو نصِ قرآنی سے اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ دوسرے مصرعے میں قرآنی الفاظ "ما یشعرون" کو اُسی طرح لکھ دینا درست تو ہے، لیکن انھیں مزید سہل انداز میں بھی پیش کیا جا سکتا تھا۔

ایک اور مثال آیت: "وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ"[42] کا ترجمہ ہے، جو حسب ذیل ہے:

اگر اہلِ ایماں کی دے کر مثال کرو اُن سے تائید حق کا سوال[43]

یہاں پہلا مصرع تو کسی حد تک قرآنی الفاظ کا مفہوم پیش کرتا ہے، لیکن دوسرے مصرعے میں یہ صورت موجود نہیں ہے۔ کیوں کہ اس میں متنِ قرآنی سے مطابقت کو برقرار نہیں رکھا گیا۔ لہٰذا اسے منظوم ترجمہ قرار نہیں دیا جا سکتا، بلکہ یہ پہلے مصرعے کی توضیح و تفسیر ہے۔

سورۃ البقرۃ کی آیت: "وَإِذَا خَلَوْا إِلَى شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ"[44] کا ترجمہ بھی بطورِ مثال پیش کیا جا سکتا ہے:

پہنچتے ہیں جب مشرکوں کی طرف تو کہتے ہیں ہم ہیں تمھاری طرف[45]

اس مقام پر متنِ قرآنی میں "مشرک" کا لفظ نہیں آیا، صرف شیاطین کا ذکر ہے۔ شرح کے مطابق یہاں شیاطین سے مشرک اور کافر دونوں مراد ہیں۔ لہٰذا ترجمے میں صرف مشرکوں ہی کا حوالہ درست نہیں ہے، کیوں کہ یہ متن کی مکمل نمائندگی نہیں کرتا۔

اس آیت کے آخری حصے: "إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ"[46] کا ترجمہ اس طرح ہے:

بناتے ہیں ہم اہلِ اسلام کو مسلماں ہوئے ہیں فقط نام کو[47]

قرآنی الفاظ میں تمسخر اڑانے کا حوالہ موجود ہے۔ مترجم نے "بنانے" کا لفظ "تمسخر" کے متبادل طور پر پیش کیا ہے، جس سے مکمل مفہوم ادا نہیں ہوتا۔

اگلی آیت کے ابتدائی حصے "اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ"[48] کا ترجمہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

انھیں کاش اتنا ہی ہوتا پتا بناتا ہے دراصل ان کو خدا[49]

اس مقام پر بھی لفظ "بناتا" کو "استہزاء" کے ترجمے کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ یہ ترجمہ درست نہیں ہے، کیوں کہ مذکورہ لفظ یہاں تخلیق کا مفہوم پیش کر رہا ہے، جب کہ متن کے مطابق یہاں "تمسخر" کے معنی ہونے چاہییں۔ اسی طرح شعر کا پہلا مصرع بھی قرآنی الفاظ سے مطابقت کا حامل نہیں ہے۔

الغرض اس ترجمے میں بہت سے مقامات پر قرآنی مفہوم کی مکمل ادائیگی کی صورت نظر نہیں آتی۔ کئی جگہوں پر ایسے مصرعے موجود ہیں جو متن سے مکمل مطابقت نہیں رکھتے اور انھیں شامل کرنے کی وجہ صرف اور صرف لوازماتِ شعری ہیں۔ قرآن حکیم کے ترجمے کے حوالے سے مثنوی کی ہیئت مناسب نہیں ہے، کیوں کہ اس ترجمے میں توضیحات و تصریحات پر مبنی اشعار و مصرعوں کے لیے کوئی جگہ نہیں ہوتی۔ اگر مذکورہ صورت اپنائی جائے تو ترجمہ اپنی حدود سے نکل کر منظوم تفسیر کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ درج بالا فروگذاشتوں کے باوجود آب رواں کو کسی طور نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ یہ قرآن حکیم کے منظوم اردو تراجم میں ایک اچھا اضافہ ہے۔ تاہم جدید اشاعت میں حسب سابق شاہ رفیع الدین کا نثری ترجمہ شامل کر دیا جاتا تو تفہیم کی مشکلات کسی قدر دور ہو سکتی تھیں۔

(۴) فرقان جاوید از عبد العزیز خالد:

عبد العزیز خالد[50] پرجیاں کلاں، تحصیل نکودر، ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے۔ ان کی تاریخ پیدائش ۱۴ جنوری ۱۹۲۷ء ہے۔ خالد کے والد شاہ محمد، سکول مدرس تھے۔ دادا کا اسم گرامی محمد خلیل، جب کہ والدہ کا نام غلام فاطمہ تھا۔ والدین نے ان کا نام عبد العزیز رکھا۔ وہ اپنے بہن بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔ ان کے دو بھائی اور دو بہنیں تھیں۔ ابتدائی تعلیم انھوں نے اپنے گاؤں کے مدرسے سے پائی۔ وہ بچپن ہی سے غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ آغاز تعلیم ہی سے ان کی ذہانت و فطانت ظاہر ہونے لگی۔ پانچویں جماعت میں انھیں اسلامیہ ہائی سکول ننگل انبیاء میں داخل کروا دیا گیا، جہاں انھیں علم دوست اساتذہ کی رہنمائی میسر آئی۔ ۱۹۴۲ء میں انھوں نے مڈل کا امتحان دیا، جس میں وہ صوبے بھر میں اول آئے۔ اپنی زندگی کے اسی دور میں خالد شاعری کی طرف متوجہ ہوئے۔ چودھری رحمت علی نازش اور آغا صادق حسین جیسے اساتذہ کی سرپرستی نے ان کے ذوقِ شعری کو جلا بخشی۔

۱۹۴۴ء میں انھوں نے میٹرک کا امتحان دیا اور صوبہ بھر میں تیسری، جب کہ مسلمان طالب علموں میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔ اس کے بعد انھوں نے اسلامیہ کالج لاہور میں داخلہ لیا۔ ۱۹۴۶ء میں ایف۔ اے کا امتحان فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا۔ ۱۹۴۷ء میں قیام پاکستان کے بعد وہ اپنے عزیز و اقارب کے ہمراہ ہجرت کر کے پاکستان آ گئے اور جھنگ میں مقیم ہوئے۔ ۱۹۴۸ء میں اسلامیہ کالج سے بی۔ اے کا امتحان فرسٹ کلاس میں پاس کیا۔ ۱۹۵۰ء میں انھوں نے اسی کالج سے ایم۔ اے معاشیات کا امتحان فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا۔ دسمبر ۱۹۵۰ء میں انھوں نے انکم ٹیکس سروس کا امتحان دیا اور کامران ٹھہرے۔ ان کی پہلی تعیناتی بطور انکم ٹیکس آفیسر ہوئی، مقامِ ملازمت کراچی تھا۔

خالد کی شادی اپریل ۱۹۵۲ء میں کراچی شہر میں ہوئی۔ یہ شادی غیر رسمی اور شرعی انداز میں ہوئی۔ ان کی دو بیٹیاں اور ایک بیٹا ہے۔

خالد کو چھوٹی عمر سے ہی شاعری سے لگاؤ تھا۔ ادب دوست اساتذہ نے اس شوق کو نکھارا۔ ان کا پہلا تخلص "بایزید" تھا۔ پھر انھوں نے "صہبائی" اپنایا اور بالآخر "خالد" اختیار کیا۔ کراچی آمد کے بعد انھوں نے شاعری پر بھرپور توجہ دی۔ نظم "راہ و رسم منزلہا" علمی و ادبی حلقوں میں ان کے تعارف کا ذریعہ بنی۔ ان کا پہلا شعری مجموعہ "زرِ داغ دل" ۱۹۵۵ء میں کراچی سے شائع ہوا۔

خالد بطور انکم ٹیکس آفیسر کراچی گئے تھے اور ترقی کی منازل طے کرتے کرتے کمشنر انکم ٹیکس کے عہدے تک جا پہنچے۔ اسی

حیثیت سے ان کا تبادلہ لاہور ہوا اور وہ اسی شہر کے ہو کر رہ گئے۔ ۱۵ جنوری ۱۹۸۷ء کو وہ اپنی مدت ملازمت پوری کرکے کمشنر انکم ٹیکس کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔

عبد العزیز خالد شاعری کی تمام اصناف پر عبور رکھتے تھے۔ وہ ایک قادر الکلام شاعر تھے۔ تراجم، غزل گوئی، نظم نگاری، نعت اور منقبت کے حوالے سے انھوں نے شہرت پائی۔ ان کے تراجم بھی بہت مقبول ہوئے۔ ان کی خدمات کے اعتراف میں مختلف اخبارات ورسائل میں متعدد مضامین لکھے گئے۔

خالد کا انتقال ۲۸ جنوری ۲۰۱۰ء کو لاہور میں ہوا۔ ان کی تدفین ڈیفنس لاہور کے قبرستان میں عمل میں لائی گئی۔[51]

عبد العزیز خالد کی تصانیف میں شعری مجموعوں کے علاوہ تراجم اور نثری کتب شامل ہیں۔ ان تصانیف کی تعداد ۴۰ کے قریب ہے۔ جن میں زر داغ دل، کلک موج، کف دریا، دشت شام، سراب ساحل، فارقلیط، منحمنا، ثانی لاثانی، سلومی، فرقان جاوید اور کتاب العلم شامل ہیں۔

خالد کے مجموعہ ہائے کلام میں عربی، فارسی، عبرانی اور ہندی زبانوں سے استفادے کا رجحان نظر آتا ہے۔ اس مخصوص رجحان کی مثال اردو شاعری میں بہت ہی کم ملتی ہے۔ خالد نے دیگر ادبی اصناف میں اپنے قلم کے جوہر دکھانے کے ساتھ ساتھ تراجم کے میدان میں بھی اپنا کمال دکھایا۔ تراجم کے حوالے سے ان کا سب سے اہم کارنامہ فرقان جاوید کے نام سے منظوم ترجمۂ قرآن حکیم ہے۔ ترجمے کے لیے اختیار کردہ ہیئت "آزاد نظم" ہے۔ موصوف نے اس ترجمے میں قرآن مجید کے مفہوم کو آسان اور سادہ الفاظ میں پیش کرنے کی سعی کی ہے۔

فرقان جاوید کی پہلی اشاعت ۱۹۸۸ء میں منظرِ عام پر آئی، ناشر مقبول اکیڈمی لاہور تھی۔ دوسرا ایڈیشن ۱۹۸۹ء میں اسی ادارے سے طبع ہوا۔ راقم کے پیش نظر یہی دوسرا ایڈیشن ہے۔[52] سفید کاغذ پر شائع کیا گیا یہ نسخہ مجلد اور لیمینیٹڈ ہے۔ صفحات کی کل تعداد ۱۰۷۱ ہے۔

دوسرے صفحے پر قرآن حکیم کی عظمت وشان سے متعلق سات اشعار پر مشتمل ایک قطعہ ہے، جس کے بعد عرض مترجم کے نام سے منظوم مقدمہ ہے۔ یہ مقدمہ نظم معرّیٰ کی صورت میں ہے اور اس کے اشعار کی تعداد چودہ ہے۔ اس کے بعد اٹھارہ اشعار پر مشتمل ایک بلا عنوان مناجات ہے۔ اگلے صفحات پر "فہرست سور قرآن" کے عنوان سے دو فہرستیں موجود ہیں۔ پہلی فہرست ترتیبِ تلاوت کے مطابق ہے، جو صفحہ ۹، ۱۰ پر موجود ہے۔ دوسری فہرست الفبائی ترتیب میں ہے، جو صفحہ ۱۱، ۱۲ پر دی گئی ہے۔ اس کے بعد منظوم ترجمے کا آغاز ہوتا ہے۔ ہر صفحے پر دو کالم بنائے گئے ہیں۔ دائیں کالم میں متنِ قرآنی ہے، جب کہ بائیں کالم میں منظوم ترجمہ تحریر ہے۔ اس حوالے سے یہ خیال رکھا گیا ہے کہ متن اور منظوم ترجمہ سطر بہ سطر آمنے سامنے رہیں۔ قرآنی متن میں آیت کے آخر میں اس کا نمبر درج ہے، جب کہ منظوم ترجمے میں آیت نمبر متعلقہ آیت کے ترجمے سے پہلے لکھا گیا ہے۔ اس ترجمے میں یہ التزام بھی کیا گیا ہے کہ ہر سورۃ کا آغاز نئے صفحے سے ہو۔ چند مقامات پر فٹ نوٹ میں مختصر وضاحت بھی موجود ہے۔ سورۃ کے آغاز میں متعلقہ سورۃ کے دیگر نام فٹ نوٹ میں درج ہیں۔ مثلاً سورۃ الفاتحۃ کے ۲۵ نام گنوائے گئے ہیں۔[53] سورۃ اللھب کے دو اور نام "تبّت" اور "الْمَسَد" لکھے گئے ہیں۔[54] سورۃ الاخلاص کا دوسرا نام "سُورَۃُ اْلاَسَاس" فٹ نوٹ میں دیا گیا ہے۔[55]

ایک اور اہتمام جو اس ترجمے میں نظر آتا ہے وہ یہ ہے کہ اگر کسی لفظ یا مصرعے کی جگہ دوسرا لفظ یا مصرع بطورِ ترجمہ

استعمال ہو سکتا ہو تو اسے بھی فٹ نوٹ میں درج کیا گیا ہے۔ مثلاً

"وَمَا يَشْعُرُوْنَ" کا منظوم ترجمہ اور "ان کو کچھ شعور اس کا نہیں" کیا گیا ہے۔ فٹ نوٹ میں "اور وہ رکھتے نہیں اس کا شعور" درج کیا گیا ہے۔[56]

اسی طرح "اِلَّا اِبْلِيْسَ" کا ترجمہ "سوا ابلیس کے" دیا گیا ہے۔ فٹ نوٹ میں "سوا" کی جگہ "بجز" لکھا گیا ہے۔[57]

بعض مقامات پر منظوم ترجمے کے ساتھ ہی قوسین میں متبادل ترجمہ دیا گیا ہے۔ مثلاً "وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ" کا منظوم ترجمہ "اور تم ظالم تھے" کیا گیا ہے اور ساتھ ہی قوسین میں "بے انصاف تھے" بھی درج ہے۔[58] ترجمے کے آخر میں یہ قطعہ درج ہے:

شکر کس منہ سے ہو اس شان کریمی کا ادا! ترجمہ تائید غیبی سے مکمل ہو گیا

للہ المنۃ کہ ہے جس کی یہ بے پایاں عطا! ایک جاہل کو بنایا محرم حرف و بیاں

عام طور پر قرآن حکیم کے منظوم تراجم، نثری تراجم کی مدد سے تیار کیے جاتے ہیں۔ شعراء ان تراجم کی روشنی میں مضامینِ قرآنی کو شعری قالب میں ڈھال دیتے ہیں۔ ترجمہ کرنے والے اکثر شعراء قرآن حکیم اور عربی زبان سے براہ راست واقفیت نہیں رکھتے۔ فرقان جاوید اس حوالے سے ممتاز ہے کہ اس کے شاعر عربی زبان کے عالم تھے۔ اس منظوم ترجمۂ قرآن کا شمار ان چند تراجم میں ہوتا ہے جو قرآن حکیم کا براہ راست ترجمہ ہیں۔ مترجم اور متنِ قرآنی میں کوئی اور واسطہ موجود نہیں ہے۔

عبد العزیز خالد کی عربی، فارسی اور عبرانی زبانوں سے وابستگی نے قرآن حکیم کے ترجمے کی تالیف میں انھیں بہت مدد دی۔ اپنے شاعرانہ مزاج سے وہ اس دقت طلب کام سے بہ سہولت عہدہ برآ ہوئے۔

یہ منظوم ترجمہ اس حوالے سے بھی خوب ہے کہ اس میں کسی مخصوص بحر کی پابندی کو اختیار نہیں کیا گیا۔ مترجم نے قرآن حکیم کی ہر سورۃ کے مزاج اور مضامین و مطالب کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کے لیے بحر منتخب کی۔ اسی بنا پر یہ بحور کی متعلقہ سورتوں سے ہم آہنگ ہونے کے ساتھ ساتھ غنائیت کی حامل بھی ہیں۔ مثلاً سورۃ الفاتحہ کے لیے مستعمل بحر، بحر مجتث مخبون محذوف (مفاعلن فِعلاتن مفاعلن فعلن) ہے۔ سورۃ البقرہ کا منظوم ترجمہ جس بحر میں کیا گیا ہے وہ بحر رمل مسدس سالم (فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن) ہے۔ مترجم نے متنِ قرآنی کی ضرورت کے مطابق منظوم ترجمے میں بحر کے ارکان کی تعداد میں کمی بیشی بھی کی ہے۔ اس سہولت کے باعث انھیں متن سے قریب مفہوم پیش کرنے میں آسانی رہی ہے۔

خالد نے آزاد نظم کی ہیئت استعمال کر کے منظوم ترجمے کی کئی مشکلات سے دامن بچایا ہے۔ اس کی بدولت فرقان جاوید میں کئی ایسی خامیاں نظر نہیں آتیں جو دوسرے تراجم میں موجود ہیں۔ پابند نظم کے فنی لوازمات کو پورا کرنے کے لیے شاعر توضیحی یا تصریحی طریقۂ کار اختیار کرتا ہے، جس کی وجہ سے ترجمہ متن سے زائد مفاہیم کا حامل ہو جاتا ہے۔ فرقان جاوید اس عیب سے بڑی حد تک پاک ہے۔ شاعر نے ان جدید ہیئتی سہولیات سے بخوبی فائدہ اٹھایا ہے، اور ایک بہتر منظوم ترجمہ پیش کیا ہے۔ فرقان جاوید نثر سے قریب تر نظر آتا ہے۔ ترجمے کی زبان سہل ہے اور اسے نثری انداز کے قریب کرنے میں روزمرہ و محاورہ کے استعمال اور عام فہم الفاظ کے انتخاب نے اہم کردار ادا کیا ہے۔

اس منظوم ترجمے کے مختصر جائزے سے یہ بات بھی نکھر کر سامنے آتی ہے کہ عبد العزیز خالد منظوم ترجمے کے جملہ اصول و ضوابط اور اس کی باریکیوں سے بخوبی واقف ہیں، اور ترجمہ کرتے وقت وہ ان تمام امور کو پیشِ نظر رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی کاوش دیگر منظوم تراجم سے منفرد اور اعلیٰ مقام کی حامل ہے۔ ڈاکٹر محمد نواز کنول فرقانِ جاوید کے بارے میں

تحریر فرماتے ہیں:

> "عبد العزیز خالد کا ترجمہ "فرقانِ جاوید" جو آزاد نظم میں ہے سلیس اور دل نشیں زبان میں ہے۔ خالد نے اس ترجمے میں شعریت کا خیال رکھتے ہوئے مطالب و مفاہیم کو کمال مہارت سے عالمانہ انداز میں پیش کیا ہے، گویا یہ کہا جاسکتا ہے کہ منظوم تراجم قرآن مجید میں عبدالعزیز خالد اپنی زبان دانی، علمیت اور قدرتِ الفاظ کے حوالے سے نمایاں حیثیت کے حامل ہیں"[59]

خالد نے اپنے منظوم ترجمے کو آزاد نظم کی ہیئت عطا کرکے ایک نیا رخ متعین کیا۔ان کے اختیار کردہ نئے رنگ نے انھیں ترجمے کی تخلیق کے حوالے سے بہت سی آسانیاں بخشیں۔ موصوف نے مختلف سورتوں کے موضوعات اور اندازِ بیان کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کا منظوم ترجمہ الگ الگ بحور میں کیا، جس کی وجہ سے وہ بہت سی رکاوٹوں سے دامن بچا کر ایک خوبصورت ترجمہ پیش کرنے میں کامیاب رہے۔

(۵) مفہوم القرآن از قاضی عطاء اللہ عطاء:

قاضی عطاء اللہ عطاء پسروری[60] ۱۹۳۴ء میں پسرور میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام قاضی ظہور اللہ تھا، جو شہر کے مشہور تاجر تھے۔انھوں نے میٹرک کا امتحان ۱۹۴۷ء میں گورنمنٹ ہائی سکول پسرور سے پاس کیا۔اس سکول کے اساتذہ کی بدولت وہ شعر و ادب کی طرف مائل ہوئے۔ عملی زندگی کا آغاز لالہ موسیٰ میں آرٹسٹ کی حیثیت سے ملازمت سے کیا۔ ملازمت کی مصروفیات کے باعث وہ شاعری کو وقت نہ دے سکے۔ ۱۹۸۲ء میں گجرات سے ملازمت سے ریٹائر ہوئے۔اس دوران ان کی شناسائی آغا وفا ابدالی سے ہوئی۔اس تعارف کی بدولت ان کے اندر سویا ہوا شاعر بیدار ہوا اور انھوں نے شاعری کی طرف توجہ کی۔ پسرور میں "ادبی سبھا" کے نام سے ایک ادبی تنظیم کی بنیاد رکھی۔اس تنظیم کے زیرِ اہتمام مشاعروں اور ادبی مجالس کا انعقاد ہونے لگا۔اس سبھا کے تحت ایک اشاعتی ادارہ بھی وجود میں آیا، جس نے مختلف ادبی کتب شائع کیں۔

قاضی عطاء بنیادی طور پر ایک آرٹسٹ اور نعت گو شاعر ہیں۔ کتابت کے فن میں بھی مہارت رکھتے ہیں۔ان کی ایک درجن کے قریب مطبوعہ کتب دستیاب ہیں جن میں حمد و نعت پر مبنی مجموعۂ کلام ناز سخن، غزلیات پر مشتمل نیاز سخن، غزلیات، قطعات و رباعیات کا مجموعہ ساز سخن، قرآن حکیم کی توحیدی آیات کا منظوم مفہوم اعجاز سخن، سورۂ بقرۃ کا منظوم ترجمہ فراز سخن، تیسویں پارے کا ترجمہ راز سخن، گیارھویں پارے کا ترجمہ امتیاز سخن اور سورۂ آل عمران کا ترجمہ اعزاز سخن شامل ہیں۔ انھوں نے قرآنی دعاؤں کا مفہوم بھی نظم کیا۔ نثر میں شعرائے پسرور کے نام سے پسرور سے تعلق رکھنے والے شعراء کے تعارف پر مبنی کتاب لکھی۔اس کے علاوہ انھوں نے اپنے دوست آغا وفا ابدالی کے مجموعہ ہائے کلام غبار دل، شرار دل، بہار دل کے ناموں سے مرتب کیے۔

مولانا رشید احمد پسروری کے مشورے پر قاضی عطاء اللہ نے منظوم ترجمۂ قرآن کا آغاز کیا۔ترجمے کی ابتداء انھوں نے قرآنی دعاؤں کے ترجمے سے کی۔ بعد ازاں توحیدی آیات کا منظوم ترجمہ، پھر سورۃ بقرۃ، اس کے بعد تیسواں پارہ، گیارھواں پارہ، سورۃ آل عمران، سورۃ النسآء اور سورۃ المائدہ کے منظوم تراجم کیے، جو الگ الگ شائع ہوئے۔ دو سال اور چند ماہ میں قرآن حکیم کا مکمل منظوم ترجمہ مفہوم القرآن کے نام سے مکمل کیا۔ قرآنی متن کے ساتھ موصوف نے نثری ترجمہ بھی دیا ہے، جس کی تیاری میں انھوں نے تفہیم القرآن، بیان القرآن، معارف القرآن، کنز الایمان اور مولانا فتح محمد جالندھری کے ترجمے

سے مدد لی ہے۔

مفہوم القرآن اگست ۲۰۰۳ء سے جون ۲۰۰۴ء تک طبع ہوا۔ یہ ترجمہ تین جلدوں پر مشتمل ہے اور اسے ادبی سبھا پسرور نے شائع کیا ہے۔ پہلی جلد سورۃ فاتحہ سے سورۃ توبہ تک، دوسری جلد سورۃ یونس سے سورۃ فاطر تک جب کہ تیسری جلد سورۂ یٰس سے سورۃ الناس تک ہے۔ عطاء صاحب نے ترجمے کے لیے مسدس، قطعہ اور رباعی کی ہیئتیں استعمال کی ہیں۔ ترجمے کی ترتیب اس طرح ہے کہ ہر صفحے پر پہلے قرآنی متن ہے، جس کے نیچے سلیس اردو نثری ترجمہ ہے، اور اس کے بعد منظوم ترجمہ دیا گیا ہے۔

عطاء قاضی کا یہ ترجمہ روزمرہ و محاورہ سے آراستہ ہے اور اس میں حسن بیان کے ساتھ ساتھ صراحتی اور توضیحی انداز بھی موجود ہے۔ ترجمے میں زیادہ تر مسدس کی ہیئت کو برتا گیا ہے، لیکن بعض اوقات اس میں مزید مصرعوں کا اضافہ کرکے مذکورہ ہیئت سے روگردانی بھی کی گئی ہے۔ درحقیقت یہ شاعر کی مجبوری ہوتی ہے، کیوں کہ قرآن مجید کے مطالب و معانی کو کسی مخصوص ہیئت اور وزن میں بیان کرنا کارِ دشوار ثابت ہوتا ہے۔

مترجم نے حتی المقدور کوشش کی ہے کہ ترجمہ بامحاورہ اور سلیس ہو، جس میں وہ خاصے کامیاب نظر آتے ہیں۔ ان کا "بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ" کا ترجمہ نہ صرف سہل اور متن سے قریب تر مفہوم کا حامل ہے بلکہ دیگر کئی منظوم تراجم سے زیادہ مناسب اور قابلِ قبول نظر آتا ہے۔ ترجمہ یہ ہے:

ساری تعریفیں ہیں اللہ تعالیٰ کے لیے　　　جو کہ ہے پالنے والا سبھی دنیاؤں کا[61]

ترجمے میں تفسیری و توضیحی انداز کی گنجائش موجود نہیں ہوتی، مگر مترجم نے بوجوہ یہ انداز بھی اختیار کیا ہے۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں:

ایسا رحمان کہ شفقت کی کوئی حد ہی نہیں ہے　　　رحیم ایسا کہ مڑمڑکے ہے رحمت کرتا[62]

اس شعر کے پہلے مصرعے میں اصل مضمون کے ساتھ توضیحی انداز کا الحاق کیا گیا ہے۔ یہاں "شفقت کی کوئی حد ہی نہیں" درحقیقت "رحمان" کے مفہوم کی توضیحی صورت ہے۔ دوسرے مصرعے میں "مڑمڑکے ہے رحمت کرتا" کے الفاظ اصل مفہوم اور ترجمے سے مناسبت قائم نہیں کرسکتے۔ بنظر غائر تجزیے سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے مصرعے میں "مڑ مڑ" کے الفاظ ضرورت شعری کے تحت تو استعمال ہوسکتے ہیں، لیکن ان کا متنِ قرآنی سے کوئی تعلق نہیں۔

"مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ"[63] کا منظوم ترجمہ ملاحظہ ہو:

ہے وہی روز جزا اور سزا کا مالک　　　دن قیامت کا اور فنا اور بقا کا مالک[64]

مذکورہ شعر کا مصرعِ ثانی مکمل طور پر تفسیری اور تصریحی انداز کا حامل ہے، جس کا نصِ قرآنی سے کوئی تعلق استوار نہیں ہوتا۔ اسی طرح "وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ"[65] کا منظوم ترجمہ اس طرح کیا گیا ہے:

اور آخرت پر بھی یقیں تام ہے ان لوگوں کا　　　نیک بندوں میں بڑا نام ہے ان لوگوں کا[66]

یہاں پہلے مصرعے میں "تام" اور "لوگوں" کے الفاظ متن سے زائد ہیں، تاہم مجموعی طور پر یہ مصرع متن کے مطابق مفہوم کا حامل ہے۔ البتہ دوسرے مصرعے کے مقابل آیت کے اس ٹکڑے میں کوئی لفظ موجود نہیں ہے۔

یہ فروگذاشتیں اس ترجمے کے معیار کو کم کرنے کا سبب بنتی ہیں۔ بہتر یہ تھا کہ مترجم سرورق پر "ترجمہ مع مطالب و

مفہوم" کے الفاظ شامل کر دیتے تو اس توضیحی انداز کی کوئی منطقی دلیل قائم کی جاسکتی تھی۔

نتائج و تجاویز:

اس بحث سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ قرآن حکیم کا نظم کی صورت میں ترجمہ مناسب نہیں ہے۔ اس کے لوازمات اور قیود درست ترجمے کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں۔

1. شاعری کی پابند ہیئت میں متن کی بہتر ترجمانی مشکل ہے، کیوں کہ ہر ہیئت کی اپنی ضروریات ہوتی ہیں جن کا ساتھ ترجمہ نہیں دے سکتا۔
2. وزن و بحر کی پابندی کی وجہ سے ترجمے میں زائد الفاظ آجاتے ہیں، جس سے منظوم ترجمہ تفسیری رنگ اختیار کر لیتا ہے۔
3. ردیف اور قافیے کی پابندیاں بھی مترجم کی مشکلات میں اضافے کا باعث بنتی ہیں۔
4. اکثر شعراء عربی زبان کی باریکیوں سے واقف نہیں ہوتے، جس کی وجہ سے متن کا درست مفہوم سامنے نہیں آتا۔
5. آزاد نظم کی ہیئت سے شاعر کی مشکلات کسی حد تک کم ہو جاتی ہیں، تاہم اس کے بہتر استعمال کے لیے کامل فنی مہارت ضروری ہے۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

حوالہ جات:

[1] مرتبین محمود الحسن عارف، ڈاکٹر، ترجمہ قرآن حکیم۔ آغاز و ارتقا اور مشکلات و مسائل، مشمولہ مقالات قرآن کانفرنس، جلد اول، پروفیسر ڈاکٹر سلیم طارق خان، پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر، دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور، ۲۰۰۹ء، ص: ۸۳۔ ۸۴۔

Maḥmuwd al Ḥassan ʻArif, Dr., Tarjumah Qurān Ḥakiym- Āghaz w Airtiqa' awr Mushkilat w Masail."(In *Maqalat i Qurān Conference*, by Prof,Dr. ʻAbdul Ra'uf ẓafar,Prof, Dr. Saliym Ṭariq Khan, (Bahawalpuwr: The Islamiah University Of Bahawalpuwr, 2009), p:83,84.

[2] صالحہ عبدالحکیم شرف الدین، ڈاکٹر، قرآن حکیم کے اردو تراجم، قدیمی کتب خانہ، کراچی، س۔ن، ص: ۸۲۔

Dr. Saliḥah ʻAbdul Ḥakiym Sharaf al Diyn, Qurān i Ḥakiym ky Urdu Tarajim, (Karachi: Qadiymi Kutab Khanah), p:82.

[3] ایضاً، ص: ۸۱

Ibid., 81.

[4] جمیل نقوی، اردو تفاسیر (کتابیات)، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۲ء، ص: ۲۵۔

Naqwi, Jamil, Urdu Tafasiyr (Kitabiyat), (Islamabad: Muqtadrah Qaumiy Zuban, 1992), p:25.

[5] احمد خان، ڈاکٹر، قرآن کریم کے اردو تراجم (کتابیات)، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۷ء، ص: ۱۲۔

Ahmad Khan, Dr., Quran e Kareem k Urdu Tarajam (Kitabiyaat). (Islamabad: Muqtadra Qoumi Zuban, 1987), p:12

[6] محمود الحسن عارف، ڈاکٹر، ترجمہ قرآن حکیم۔آغاز وارتقااور مشکلات و مسائل، ص: ۸۴۔

Mehmood ul Hassan Arif, Dr. "Tarjuma Quran e Hakeem- Azghaaz o Irtiqa' Masail o Mushkilaat, p:84.

[7] جمیل نقوی، اردو تفاسیر (کتابیات)، ص: ۲۶۔

Naqvi, Jamil. Urdu Tafaseer (Kitabiyaat), p:26.

[8] ایضاً، ص: ۲۷۔

Ibid., p:27.

[9] ایضاً، ص: ۲۶۔

Ibid., p:26.

[10] احمد خان، ڈاکٹر، مرتب، قرآن کریم کے اردو تراجم (کتابیات)، ص: ۱۷۰

Ahmad Khan, Dr., Qur'ān e Kareem k Urdu Tarajam (Kitabiyaat), p:170.

[11] ایضاً، ص: ۲۳۳، حمید شطاری، ڈاکٹر، سید، قرآن مجید کے اردو تراجم و تفاسیر کا تنقیدی مطالعہ، نیشنل فائن پرنٹنگ پریس، حیدر آباد، ستمبر ۱۹۸۲ء، ص: ۳۸۶۔

Ibid., 233, Hameed Shattari, Dr,Syed. Quran Majeed kay Urdu Tarjam o Tafaseer Ka Tanqeedi Mutaliha.(Haydarabad: National Fine Printing Press, 1982), p:386.

[12] اثر زبیری لکھنوی کے حالات اور دیگر معلومات ان کے منظوم ترجمۂ قرآن سحر البیان کے مقدمہ، سید محمد قاسم کی تصنیف پاکستان کے نعت گو شعراء جلد سوم، فروری ۲۰۱۰ء، ص: ۱۰۷، اور محمد سعید شیخ کے مضمون 'منظوم اردو تراجم و تفاسیر۔ تعارفی جائزہ' مشمولہ مقالات قرآن کانفرنس، جلد اول، محولہ بالا سے ماخوذ ہیں۔

Asar Zubairi, Lakhnavi. Sehr ul Bayan. (Karachi: Al-Hijaz Publishers), Muhammad Qasim, Syed. Pakistan kay Naat gou Shuharaa. (Karachi: Jahan e Hamd Publications, 2010.) 107, Muhammad Saeed, Shaikh. "Manzoom Urdu Tarajam o Tafaseer." (In Maqalaat e Quran Confernce)

[13] محمد نسیم عثمانی، پروفیسر، ڈاکٹر، اردو میں تفسیری ادب، عثمانیہ اکیڈمک ٹرسٹ، کراچی، ۱۹۹۴ء، ص: ۱۱۰۔

Muḥammad Naseem Usmani, Prof, Dr. Urdu myn Tafseeri Adab, (Karachi: Usmania Academic Trust, 1994), p:110.

[14] سورۃ البقرۃ، ۶۔

Al Baqarah, 6.

[15] اثر زبیری لکھنوی، سحر البیان، جلد اول، الحجاز پبلشرز، کراچی، س۔ن، ص: ۴۔

Athar Zubaiyriy, Lakhnavi. Saḥ r Al Bayan.(Karachi: Al Ḥijaz Publishers),p: 4.

[16] ایضاً، ص: ۲۔

Ibid., p:2.

[17] سورۃ الفاتحہ، ۲۔

Al Fatiha, 2.

[18] اثر زبیری لکھنوی، سحر البیان، جلد اول، ص ۲

Athar Zubaiyriy, Lakhnavi. Saḥ r Al Bayan.(Karachi: Al Ḥijaz Publishers),p:2

[19] سورۃ البقرۃ، ۴۔

Al Baqarah, 4.

[20] اثر زبیری لکھنوی، سحر البیان، جلد اول ص: ۳۔

Athar Zubaiyriy, Lakhnavi. Saḥ r Al Bayan.(Karachi: Al Ḥijaz Publishers), p:3.

[21] سیماب اکبر آبادی کے فن اور شخصیت کا احوال ان کی تصنیف کلیم عجم، حامد اقبال صدیقی کی کتاب سیماب اکبر آبادی اور وحیِ منظوم کے ابتدائیے سے اخذ شدہ ہے۔

Siymab, Akbar Ābadi, Kaliym e ʻAjam. (Āgra: Dar Al Ashaʻat Qaṣar Al Adab, 1936), Hamid Iqbal, Ṣiddiqiy, Siymab, Akbar Ābadi, (Delhi: Sahtiya Academy, 2009), Siymab, Akbar Ābadi, Waḥiy e Manẓum, (Karachi: Siymab Academy, 1981).

[22] سیماب اکبر آبادی نے کلیم عجم میں اپنا سال ولادت ۱۲۹۹ھ بمطابق ۱۸۸۰ء لکھا ہے، حامد اقبال صدیقی نے سنہ ولادت ۱۸۸۲ء تحریر کیا ہے، کہ ۱۲۹۹ھ عیسوی سنہ کے مطابق ۱۸۸۲ء ہی بنتا ہے، اور یہی درست ہے، اس لیے سنہ ولادت ۱۸۸۲ء لکھا گیا ہے۔

Hamid Iqbal Ṣiddiqiy, Siymab, Akbar Ābadi.

[23] حامد اقبال صدیقی، سیماب اکبر آبادی، ساہتیہ اکیڈمی، دہلی، ۲۰۰۹ء، ص: ۲۱۔

Hamid Iqbal Ṣiddiqiy, Siymab, Akbar Ābadi, 21.

[24] مظہر صدیقی، ابتدائیہ وحیِ منظوم، سیماب اکیڈمی، کراچی، نومبر ۱۹۸۱ء۔

Maẓhar Ṣiddiqiy, Ibtadaʼiyyah,(In Waḥiy e Manẓum, by Siymab, Akbar Ābadi).

[25] محمد عالم مختار حق، اردو تراجم و تفاسیر، مشمولہ ،ماہنامہ فیض الاسلام، راولپنڈی، قرآن نمبر، ج: ۲۰، ش: ۲،۱، (جنوری، فروری ۱۶۹۸ء) ص: ۸۲۔

Muḥammad ʻAlam Mukhtar Ḥaq, Urdu Tarajim Wa Tafasiyr, Mashmuwlah Mahnama Fayz Al Islam, Qurān Number, Vol:20, Issue:1,2, (January,February: 1698), p:82.

[26] سیماب اکبر آبادی، وحیِ منظوم، ص: ۵۵۔

Siymab, Akbar Ābadi, Waḥiy e Manẓum, p: 55.

[27] سورۃ البقرۃ، ۲۳۴۔

Al Baqarah, 234.

[28] سیماب اکبر آبادی، وحیِ منظوم، ص: ۶۱۔

Siymab, Akbar Ābadi, Waḥiy e Manẓum, p:61.

[29] سورۃ الکوثر، ۲۔۱

Al Kousar, 1-2.

[30] سیماب اکبر آبادی، وحیِ منظوم، ص: ۹۶۹۔

Siymab, Akbar Ābadi, Waḥiy e Manẓum, p:969.

[31] ایضاً، ص: ۸۸۱۔

Ibid., p:881.

[32] سید شمیم رجز کے حالات ان کی تصنیف خلوص بیکراں میں "تعارف مصنف"، محمد سعید شیخ کے مقالہ "منظوم اردو تراجم و تفاسیر۔ تعارفی جائزہ" اور ان کی بیٹی سیدہ در نجف زیبی کے مکتوب بنام راقم کی مدد سے ترتیب دیے گئے ہیں۔

Shamiym Rajz, Sayid, Khuluṣ e Bykaran, (Lahore: ẓafar Sons Printers, 2005), Muḥammad Saʻiyd, Shaykh, Manẓuwm Urdu Tarajam w Tafasiyr, Durr e Najaf Zaiyby, Letter to Writer.

[33] شمیم رجز، سید، آب رواں، جلد اول، ادارہ تصنیف و تالیف اسلامیہ، لاہور، بار اول، ۱۹۸۰ء، ص: ۴۔

Shamiym Rajz, Sayyid, Āb I Rawan, (Lahore: Idarah Taṣniyf w Taliyf e Islamiyah, 1980), 1:4.

[34] در نجف زیبی، سیدہ، مکتوب بنام راقم۔

Durr e Najaf Zaiyby, Letter to Writer

[35] "Much More Than a Show of Love for Urdu.(http://pakistanlink.org. December 9, 2006) http://pakistanlink.org/Community/2006/Dec06/29/04.HTM,(accessed December 29, 2014)

[36] آب رواں، جلد اول، ص: ۴۔۵۔

Shamiym Rajz, Sayyid, Āb I Rawan, 1:4,5.

[37] اردو تفاسیر (کتابیات)، ص: ۴۷۔

Urdu Tafasiyr, (Kitabiyat), p: 47.

[38] سورۃ البقرۃ، ۷۔

Al Baqarah, 7.

[39] شمیم رجز، سید، مثنوی آبِ رواں، اشاعتِ دوم، اظہار سنز، لاہور، اکتوبر ۲۰۰۵ء، ص: ۴۔

Shamiym Rajz, Sayyid, Mathnawiy Āb I Rawan, (Lahore: Iẓhar Sons, 2nd Edition, October 2005), p:4.

[40] سورۃ البقرۃ، ۹۔

Al Baqarah, 9.

[41] شمیم رجز، مثنوی آبِ رواں، ص: ۴۔

Shamiym Rajz, Sayyid, Mathnawiy Āb I Rawan, p:4.

[42] سورۃ البقرۃ، ۱۳۔

Al Baqarah, 13.

[43] شمیم رجز، مثنوی آبِ رواں، ص: ۴۔

Shamiym Rajz, Sayyid, Mathnawiy Āb I Rawan, p:4

[44] سورۃ البقرۃ، ۱۴۔

Al Baqarah, 14.

[45] شمیم رجز، مثنوی آبِ رواں، ص: ۴۔

Shamiym Rajz, Sayyid, Mathnawiy Āb I Rawan, p:4

[46] سورۃ البقرۃ، ۱۴۔

Al Baqarah, 14.

[47] شمیم رجز، مثنوی آبِ رواں، ص: ۴۔

Shamiym Rajz, Sayyid, Mathnawiy Āb I Rawan, p:4.

[48] سورۃ البقرۃ، ۱۵۔

Al Baqarah, 15.

[49] شمیم رجز، مثنوی آبِ رواں، ص: ۴۔

Shamiym Rajz, Sayyid, Mathnawiy Āb I Rawan, p:4.

[50] عبد العزیز خالد کی زندگی کے حوالے سے معلومات مہمات خالد (مرتبہ کامل القادری)، ارمغان خالد (مرتبہ ڈاکٹر نصیر احمد ناصر) اور ڈاکٹر محمد نواز کنول کی تصنیف عبد العزیز خالد، احوال وآثار سے ماخوذ ہیں۔

Kamil Al Qadri,Muhimmat i Khalid,(Lahore:Shaiykh Ghulam Ali & Sons, 1976),Dr. Naṣir Aḥmad Naṣir, Armaghan e Kahlid, (Lahore: Maqbuwl Academy,1988),Dr. Muḥammad Nawaz Kanwal,'Abdul Aziyz Kahlid Aḥwal w Āsar, (Lahore: Iẓhar Sons, 2015)

[51] محمد نواز کنول، ڈاکٹر، عبد العزیز خالد، احوال وآثار، اظہار سنز، لاہور، ۲۰۱۵ء، ص: ۱۰۵۔

Dr. Muḥammad Nawaz Kanwal,'Abdul Aziyz Kahlid Aḥwal w Āsar, (Lahore: Iẓhar Sons, 2015), p: 105

[52] عبد العزیز خالد، فرقان جاوید، مقبول اکیڈمی، لاہور، طبع دوم، ۱۹۸۹ء۔

Khalid, 'Abul 'Aziyz, Furqan Jawayd, (Lahore: Maqbuwl Academy, 2nd Edition, 1989).

[53] ایضاً، ص: ۱۳۔

Ibid., p:13.

[54] ایضاً، ص: ۱۰۶۷۔

Ibid., p:1067.

[55] ایضاً، ص: ۱۰۶۸۔

Ibid., p:1068.

[56] ایضاً، ص: ۱۵۔

Ibid., p:15.

[57] ایضاً، ص: ۳۰۔

Ibid., p:30.

[58] ایضاً، ص: ۲۳۔

Ibid., p:23.

[59] محمد نواز کنول، ڈاکٹر، عبد العزیز خالد بطور مترجم، اظہار سنز، لاہور، ۲۰۱۵ء، ص: ۴۷۔

Dr. Muḥammad Nawaz Kanwal,'Abdul Aziyz Kahlid Batawr Mutarjim, (Lahore: Iẓhar Sons, 2015), p:47.

[60] قاضی عطاء اللہ کے حالات محمد سعید شیخ کے مضمون "منظوم اردو تراجم وتفاسیر۔ تعارفی جائزہ" کی مدد سے مرتب کیے گئے ہیں۔

Muḥammad Sa'iyd Shaykh, Manzuwm Urdu Tarajim w Tafasiyr: Ta'arufiy Ja'izah.

[61] عطاء قاضی، مفہوم القرآن، جلد اول، ادبی سبھا، پسرور، ۱۴اگست ۲۰۰۳ء، ص: ۹

Qaḍi, 'Atta, Mafhuwm Al Qur'ān, (Pasruwr: Adabiy Sabha, 14th August 2003), 1:9.

[62] ایضاً

Ibid.

[63] سورۃ الفاتحہ، ۴۔

Al Fatiḥah, 4.

[64] عطاء قاضی، مفہوم القرآن، ص: ۹۔

Qaḍi, 'Atta, Mafhuwm Al Qur'ān, p:9.

[65] سورۃ البقرۃ، ۴۔

Al Baqarah, 4.

[66] عطاء قاضی، مفہوم القرآن، ص:۱۱۔

Qaḍi, 'Atta, Mafhuwm Al Qur'ān, p:11.